اپریل ۲۰۱۷ء / رجب ۱۴۳۸ھ

مسلمانوں کی ترقّی اور تنزّلی دونوں کا
ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے ان کا وقتی اور فوری جذبہ، وہ سیلاب کی
مانند پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں، لیکن کوہ کن کی طرح ایک ایک پتھر کو جدا کر کے
راستے کو صاف نہیں کر سکتے، وہ بجلی کے مثل ایک خرمن کو جلا کر خاک وسیاہ کر سکتے ہیں، لیکن
چیونٹی کی طرح ایک ایک دانہ نہیں ڈھو سکتے، آج نہایت زور وشور سے، بڑے شور وغل کی آواز میں ایک
انجمن کی بنا پڑی ہے اور کل اس کی اینٹ اینٹ علیٰحدہ ہو جاتی ہے۔ مسلم یونیورسٹی کا ہنگامہ اٹھتا ہے تو معلوم
ہوتا ہے کہ شاید بغداد ومصر وقرطبہ کی گم شدہ عظمت آناًفاناً واپس آنا چاہتی ہے، لیکن اس دن کی جب رات
گذرتی ہے تو خواب فراموش سے زیادہ وہ یاد نہیں رہتا۔ ہماری ناکامی کا اصل سبب کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ ہم
آندھی کی طرح آتے ہیں اور بجلی کی طرح گزر جاتے ہیں۔ ہم کو دریا کے اس پانی کی مانند ہونا چاہئے جو
آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور سالہا سال میں کناروں کو کاٹ کر اپنا دہانہ وسیع کرتا جاتا ہے۔
ہمالیہ کی برفستانی چوٹیاں آہستہ آہستہ پگھلتی ہیں، لیکن کبھی گنگا جمنا کو خشک نہیں ہونے
دیتیں۔ ہم صرف ایک بات کہنا چاہتے ہیں۔ کامیابی صرف مسلسل اور پائیدار
کوشش میں ہے۔

(علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ: معارف اکتوبر ۱۹۱۷ء)

بدل اشتراک......فی شمارہ: 15 روپے • سالانہ: 150 روپے

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چونا والا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو، ایل. بی. ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.

Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com

نگارشات

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔

حلقۂ قرآن

درس قرآن

محمد ایوب اثری

(اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ)(آل عمران:۷۷)

ترجمہ: بے شک جولوگ اللہ کے عہد اوراپنی قسموں کوتھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا نہ انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اوران کیلئے دردناک عذاب ہے۔

تشریح: اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے دوقسم کے لوگوں کا اخروی انجام بتلایا ہے ایک وہ جنھوں نے اللہ سے کئے ہوئے اس وعدہ کو کہ وہ دنیا میں جاکرصرف اللہ ہی کی عبادت کریں گے اوراس کے تمام نبیوں پر ایمان لائیں گے معمولی سی قیمت کے عوض بیچ دیا اس کا کوئی پاس ولحاظ نہیں رکھا۔ دوسرے وہ جو دنیاوی مفادات کے پیش نظر حکم الٰہی کی مخالفت کرتے ہوئے جھوٹی قسمیں کھاکرلوگوں کے مال ہڑپ کرجاتے ہیں ایسے لوگ اخروی نعمتوں سے محروم رہیں گے اس کے علاوہ اللہ ان سے سخت ناراض ہوگا ان سے بات نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کو نظر رحمت سے دیکھے گا بلکہ ان کے گناہوں کے پاداش میں سخت عذاب سے دوچار کرے گا۔

قارئین کرام: صحیح بخاری میں اشعث بن قیس کا خود بیان ہے کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی میرا ایک یہودی سے کنویں کے معاملے میں جھگڑا ہوا تھا ہم اپنا معاملہ لیکر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنے گواہ لاؤ ورنہ دوسرے فریق سے قسم لی جائے گی میں نے عرض کیا پھر یہ توقسم کھالے گا اور جھوٹ بولنے میں اسے کچھ جھجھک نہیں ہوگی رسول ﷺ نے فرمایا جوشخص جان بوجھ کرکسی کا مال ہڑپ کرنے کیلئے جھوٹی قسم کھائے گا اللہ تعالیٰ سے وہ اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پرنہایت غضبناک ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل کی (بخاری)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”من حلف علیٰ یمین یقتطع بھا مال امرئ مسلم ھو علیھا فاجر لقی اللہ وھو علیہ غضبان“(بخاری) جوشخص کوئی ایسی جھوٹی قسم کھائے جس کے ذریعہ وہ کسی مسلمان کے مال پر ناحق قبضہ کرلےتو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بہت زیادہ غضبناک ہوگا۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”ثلثۃ لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولاینظر الیھم ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم قال فقرھا رسول ﷺ ثلاث مرات قال ابوذرؓ خابوا وخسروامن ھم یا رسول اللہ قال المسبل والمنان والمنفق سلعتہ بالحلف الکاذب“ (مسلم) تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ

کلام کرے گا نہ ان کی جانب نظر کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی اس بات کو تین بار دہرایا یہ سن کر حضرت ابوذرؓ نے کہا یہ لوگ بڑے خسارے میں ہوں گے آخر یہ ہیں کون؟ آپ ﷺ نے کہا کہ اپنے کپڑے کو گھسیٹنے والے، احسان جتلانے والے، اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے سامان کو بیچنے والے۔

آج اگر معاشرے پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو تجارت وکاروبار میں جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم کھانا ایک عام بات ہے نہ تو اسے کوئی معیوب سمجھتا ہے اور نہ ہی اس پر کسی طرح کی نکیر کی جاتی ہے لیکن مذکورہ آیت واحادیث میں جو اس کی خرابی ونقصان بتلایا گیا ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے جو لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچ لیتے ہیں اور اسے اپنی ہوشیاری بتاتے ہیں اور اس ہوشیاری وچالاکی پر فخر کرتے ہیں ان کیلئے رسول ﷺ کی یہ حدیث کافی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جھوٹ بولنے سے مال تو بِک جاتا ہے لیکن برکت ختم ہوجاتی ہے۔ فان صدقا وبينا بورک لهما في بيعهما وان كتماوكذبا محقت بركة بيعهما (بخاری)

اسی طریقے سے قرآن مجید میں دوسری جگہ اسی عہد کے تعلق سے اللہ کا ارشاد ہے (وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ) (رعد:۲۵) اور جو اللہ کے عہد کو مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں ان کیلئے لعنتیں ہیں اور ان کیلئے بُرا گھر ہے۔

یہ ''عہد اللہ'' (اللہ کا وعدہ پیمان) کیا ہے؟ شیخ عبدالرحمن بن عبدالکریم اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں (عهد الله على عباده ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئا، قال تعالى: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ) (یٰسین:۶۰-۶۱) یعنی اپنے بندوں سے اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا اے آدم کی اولاد کیا میں نے تم سے قول وقرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہیں کرنا وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھی راہ ہے۔ یہ عہد اللہ نے ''اصلاب آدم'' والے دور میں لیا تھا (اصول المنهج الاسلامی ص ۵۶۳) جیسا کہ فرمایا (وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِيْنَ) (اعراف:۱۷۲) اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے بارے میں اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں ہم سب گواہ بنتے ہیں تا کہ تم لوگ قیامت کے دن یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔ ایفائے عہد کے سلسلے میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''لا ايمان لمن لا عهد له'' (مسند احمد) اور اس کا دین میں کچھ حصہ نہیں جس کے اندر معاہدے کی پاسداری نہیں اسی طریقے سے اور بے شمار نصوص کے ذریعہ یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ وعدہ پورا کرنے کی بڑی اہمیت ہے اور قیامت کے دن اس کے متعلق باز پرس ہونے والی ہے اخیر میں اللہ سے دعا ہے کہ وعدے کی اہمیت کو سمجھنے اور اس کو کما حقہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

❖ ❖ ❖

[۲]

اداریہ

دینی فتنے

اور جماعت اہل حدیث کے بعض افراد

محمد مقیم فیضی

اس دنیا میں انسان مختلف قسم کی آزمائشوں سے دوچار ہوتا ہے اور بہت سے فتنوں سے اس کا سامنا ہوتا ہے مگر الحمدللہ قرآن وسنت میں وہ تعلیمات موجود ہیں جو ہر طرح کے فتنوں سے نجات کا راستہ دکھادیتی ہیں، ہم نے سوچا تھا کہ ہماری جماعت کے بعض افراد کو جن فتنوں کا سامنا ہے ان کا جائزہ لیا جائے اور اپنی صلاحیت کے مطابق اہل علم سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے متعلق شرعی نقطۂ نظر پیش کیا جائے تاکہ جولوگ کسی ایسی حالت کا شکار ہوں وہ اس سے باہر آجائیں۔ اور ہم نے ابھی اپنی پہلی ہی بات رکھی تھی جو ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی کہ اسی نے دامن تھام کر ہمیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور اس سے اندازہ ہوا کہ بعض فتنے معاشرے میں کتنی گہرائی تک اپنی جڑیں راسخ کر چکے ہیں، معاملہ ہے رقیہ (جھاڑ پھونک) کو پیشہ بنانے کا اور رقیہ سینٹر یا رقیہ کلینک کھولنے کا۔ اس سلسلے میں کچھ علماء کی تحریریں یا ان کی طبع شدہ تقریروں کے اقتباسات پیش کئے تھے جن میں وہ لوگ ان کاموں سے روکتے ہیں اور اس کی شرعی وجوہات بھی بیان فرماتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے کچھ تقریریں بھی کی تھیں۔ یہ خیال بہرکیف ذہن میں تھا کہ کچھ لوگوں کی طرف سے مخالف آرا سامنے آئیں گی اور علمی اعتبار سے ان کے لئے اپنا سینہ بھی الحمدللہ کشادہ تھا اور ان کا استقبال کرنے کے لئے ہم پوری طرح تیار تھے مگر ایسا شدید ردعمل سامنے آئے گا کہ متعدد راقی حضرات تمام اخلاقی ضابطوں اور قدروں کو پامال کرتے ہوئے اپنے دل کی بھڑاس نکالیں گے اور اسے ذاتی انتقام کا مسئلہ بنالیں گے اس کا اندیشہ کم ہی تھا، مگر اس صورت حال سے خوب اندازہ ہوا کہ اس وقت جماعتی نظام کتنا کمزور ہو چکا ہے اور معاشرے پر علم اور علماء کی گرفت کتنی ڈھیلی ہو چکی ہے کہ ہر جبہ پوش اور عمامہ بردار اپنی چرب زبانی، شعبدہ بازی، پبلک ڈیلنگ اور کاؤنسلنگ کی صلاحیتوں کی وجہ سے فضیلۃ الشیخ اور علوم شرعیہ کا نام نہاد اتھارٹی بنا پھرتا ہے اور لوگوں میں اسے پذیرائی بھی خوب ملتی ہے، نہ کسی کی زبان قابو میں ہے نہ قلم پر روک ہے، اور فتنوں کا پلیٹ فارم شوشل میڈیا سب کے لئے بازار عکاز بنا ہوا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ جنھیں معمولی علمی اصطلاحات بھی سمجھ میں نہیں آتی ہیں جو عربی زبان سے قطعی نابلد ہیں، جنھیں دلالتوں کی اقسام معلوم ہیں نہ وہ ان کی حقیقتوں سے آگاہ ہیں جن کے جملے جملے سے علمی افلاس کی ترجمانی ہوتی ہے وہ بھی نہایت ڈھٹائی کے ساتھ فتوے داغ رہے ہیں اور مرشد اعظم بنے لوگوں کی معکوس رہنمائی کرتے پھر رہے ہیں، قرآن وسنت کا نام لے لے کر قرآن وسنت کے اصولوں کو پامال کررہے ہیں، درست رہنمائی کا مذاق اڑارہے ہیں، عقیدۂ صحیحہ کی اہمیت کو چٹکیوں میں اڑادے رہے ہیں کہتے ہیں سب مسئلہ بھلا توحید ہی سے حل ہوگا؟ خود سے آدمی اپنا علاج کیسے کرسکتا ہے؟ ان کا مطلب یہی نظر آتا ہے کہ ایسی کسی کوشش کی ضرورت نہیں ہے بس جس آدمی کو کوئی وہم دامنگیر ہو وہ فوراً ان پیشہ ور رقیہ کرنے والوں

اورشعبدہ بازوں کے پاس بھاگ کر جائے اور انہیں اس کے عقل، دین، آبرو جس سے چاہیں اس سے کھیلنے کی آزادی رہے۔

ان کے پاس طرح طرح کی کہانیاں تیار ہیں میں نے فلاں لڑکی کا یوں رقیہ کیا، میں نے فلاں لڑکی کا ایسا علاج کیا، ایک لڑکی اس طرح بھاگتی تھی بال نوچتی تھی میں اس کا مسیحا بن کر آیا۔ اللہ جانے ان سب کی زبانوں پر لڑکیوں ہی کا تذکرہ کیوں آرہا ہے؟! کیا یہ بھی سوچنے کی بات نہیں ہے؟ اور یہ کبھی یہ نہیں بتاتے کہ ان کے پاس کتنے لوگ ایسے بھی آئے جنھیں کچھ بھی افاقہ نہیں ہوا۔ اور وہ جیسے آئے تھے ویسے ہی لوٹ گئے!

باتیں بہت سی ہیں جو خود ان تحریروں کے ذریعہ ان شاء اللہ آپ تک پہنچیں گی جو آگے پیش کی جانے والی ہیں اور اس سلسلے میں ان شاء اللہ ہم اکابر علمائے امت کے فتاوے اور ان کی توجیہات وارشادات آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جن سے ان شاء اللہ اس موضوع کے تمام پہلو آپ پر روشن ہوجائیں گے۔ ان میں کچھ لوگوں کو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ ہم علماء کے فتاوے کیوں پیش کررہے ہیں، قرآن وسنت پیش کریں تو عرض ہے کہ کیا قرآن وسنت کی شرح وترجمانی کے لئے علماء کی بجائے جبرئیل امین ان کے پاس آنے والے ہیں یا پھر وہ یہ چاہتے ہیں کہ قرآن وسنت کی جو جاہلانہ تشریحات وہ پیش کررہے ہیں انہیں من وعن قبول کرلیا جائے۔ یہ بھی ناانصافی ہوگی اگر اس بات کا اعتراف نہ کیا جائے کہ ان میں سے ایک صاحب نے رقیہ کے متعلق اپنی مخالف رائے پیش کی مگر اہل علم کے شایان شان تمام آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے انھوں نے گفتگو فرمائی اگرچہ ہم ان کی گفتگو سے متفق نہیں تاہم اس بے راہ رو ماحول میں علمی اصولوں کی پاسداری کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں اور ان کے اور اپنے لئے دعا گو ہیں کہ **وفقنا الله وایاکم لما فیه رضاه وجعلنا قوامین لله شهدا بالقسط۔**

فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ سے سوال ہوا:

''اس وقت کچھ قاری حضرات بیماری کے رقیہ (جھاڑ پھونک) کے لئے خاص ہوکر رہ جاتے (اسپیشلسٹ بن جاتے) ہیں، اس کام کے لئے وہ کلینک کھول لیتے ہیں، یا اپنے گھر ہی میں شروع کردیتے ہیں، اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟

جواب میں فرمایا: ''لوگوں کو نفع پہنچانا اچھا ہے، مگر اس توسع کے ساتھ نہیں، اس اوچھے پن کے ساتھ نہیں جیسا کہ ہورہا ہے، یہ توسع اچھا نہیں ہے، یہاں تک کہ بعض لوگ اپنے پاس علاج کرانے والوں کی کثرت کی وجہ سے متعدد اشخاص پر (ایک ہی بار میں) پڑھتے ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور یہ حضرات لوگوں کو پھونکا ہوا پانی بیچیں یہ توسع نامناسب ہے۔ (شرح سنن ابی داود: ۱۳/ ۳۹۱)

شیخ مقبل بن ھادی الوادعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''...اہل سنت کو چاہیے کہ اپنی طاقت بھر کچھ کریں، پھر ہم نصیحت نہیں کریں گے، اور نصیحت نہیں کریں گے اور نصیحت نہیں کریں گے اس بھائی کو جو رقیہ کرتا ہے کہ وہ اپنا وقت رقیہ ہی میں صرف کردے، گھنٹہ دو گھنٹہ تین گھنٹہ لوگوں کے لئے مقرر کرلے ورنہ اللہ کی قسم مجھے ڈر ہے کہ شیطان ایک شخص پر سوار ہوکر آئے گا اور اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اس راقی (جھاڑ پھونک کرنے والے) کو مشغول کردے پھر دوسرے شخص پر اس لئے سوار ہوکر آئے کہ وہ لوگ جادوگر یا کاہن کے پاس جائیں اور وہ جادوگر یا کاہن کے ہاتھوں باہر آئے اور اس کا مقصد اس کے متعلق عقیدہ جمانا ہو، میں اس شخص سے یہی کہتا ہوں جو اس میں

مبتلا ہوگیا ہے کہ وہ اپنے وقت کو منظم کرے اور بڑا وقت طلب علم میں لگائے، کیونکہ جن کبھی یہ کہتا ہے کہ وہ نصرانی (کرسچین) ہے، کبھی کہتا ہے کہ وہ مسلم ہے، کبھی کسی بچے کی آواز نکالتا ہے کبھی کسی عورت کی، میں نے کئی لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ طلب علم کو ترک کر کے اس میں مشغول نہ ہوں ہوسکتا ہے کہ یہ طالب علموں کو طلب علم سے دور کردینے کے لئے شیطان کی چالوں میں سے کوئی چال ہو۔ (غارة الأشرطة: ۱/۶۴-۶۶)

شیخ محمد علی فرکوس حفظہ اللہ رقیہ کے متعلق ایک سوال کے ضمن میں فرماتے ہیں: ''یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ راقی پر یہ لازم ہے کہ وہ حاجت کے وقت قدرت ہونے پر عدل کے ساتھ اپنے بھائیوں کی مدد کرے مگر خود کو رقیہ کے ذریعہ مریضوں کا علاج کرنے کیلئے مخصوص نہ کرلے نہ اس کے لئے فارغ ہوکر بیٹھ جائے اور اسے ذریعۂ معاش بنالینا ایک ایسا پیشہ اور حرفت ہے جو سلف امت کے یہاں معہود نہیں تھا نہ ائمہ ہدی ہی نے ایسا کیا تھا حالانکہ ان میں سے بعض لوگ قبولیت دعا کے لئے معروف تھے اور مقتضی ان کے زمانے میں بھی قائم تھا (یعنی ایسے حالات اس زمانے میں بھی پائے جاتے تھے مگر کسی نے رقیہ کو اپنا پیشہ یا تخصص نہیں بنایا تھا)۔ (حکم التفرغ للعمل کراقی شرعی ... پیش کردہ محمود بن ابراهیم مصری، شبکه سحاب السلفیة)

سوال ہوتا ہے: سماحۃ الشیخ اس وقت رقیہ (جھاڑ پھونک) اور رقاۃ (جھاڑ پھونک کرنے والوں) کے متعلق گفتگو شائع ہے یا خوب ہورہی ہے کچھ ڈھیلے ڈھالے ہیں کچھ متشدد ہیں، اور رقیہ کرنے والوں کے کچھ اعمال تو سنت کے مطابق ہیں اور کچھ ان میں سے بعض راقیوں کے اجتہاد کا نتیجہ ہیں، اللہ ہمیں بھی اور انہیں بھی ہدایت دے۔ پھر راقیوں کے لئے آپ کی رہنمائی اور نصیحت کیا ہے؟

علامہ صالح فوزان حفظہ اللہ نے جواب دیا:

اس وقت رقیہ میں مادی لالچ داخل ہوچکی ہے، اس میں مادہ کی حرص وطمع میں کچھ ایسے لوگ آگئے ہیں جنھیں یہ کام ٹھیک سے آتا بھی نہیں ہے، یا ایسے لوگ آگئے ہیں جن کا عقیدہ خراب ہے بس مال کی لالچ انہیں یہاں لے آئی ہے، یا اس میں کچھ ایسے لوگ شامل ہوگئے ہیں جو رقیہ میں شرکیہ تعویذیں اور طلسمات داخل کردیتے ہیں، یہ سب رقیہ کے پیچھے لالچ کے سبب سے ہورہا ہے، رقیہ حرفت وتجارت بنالی گئی ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

رقیہ صرف وہی کرے جو رقیہ کا عالم ہو، اس کا عقیدہ اچھا ہو، اور اپنے بھائی کو نفع پہنچانا چاہتا ہو، اس کی نظر فقط درہم پر نہ ہو بلکہ اس کی چاہت اپنے بھائی کو نفع پہنچانا ہو، اور اگر کچھ مال مل گیا تو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر یہ کہ اسے پیشہ بنالے اس کے لئے دکانیں کھول لے تو یہ رقیہ میں مبالغہ ہے، نیز یہ فقط لالچ کی طلب ہے لوگوں کو نفع پہنچانا مقصود نہیں ہے، اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس میں کبھی کبھی اسی طرح کے شعبدہ باز اور خرافاتی لوگ داخل ہوجاتے ہیں، وہ شعبدہ بازی کی کتابوں میں (کچھ) پڑھتے ہیں اور اسی کو مادی کمائی کے لئے لوگوں پر پڑھتے ہیں... کیونکہ یہاں کچھ شعبدہ بازی کی کتابیں رقیہ کے نام سے موجود ہیں جن میں جادو ہے، شر ہے، جنوں سے استعانت ہے، شیاطین سے استعانت (مدد طلب کرنا) ہے، ان میں اللہ عزوجل کے علاوہ سے استغاثہ پایا جاتا ہے، اس لئے راقی کے اندر علم وبصیرت اور اعتماد کا پایا جانا ضروری ہے اسے درست عقیدہ ہونا لازم ہے، وہ خرافاتی وبدعتی اور شعبدے باز نہ ہو، ہاں۔ (از سلطان جہنی ۳۰/جون ۲۰۱۳ حوالہ مذکور)

سوال ہوتا ہے: کیا رقیہ کے لئے خود کو فارغ کر لینا اور کچھ مال لے کر آسیب زدہ کا علاج کرنا جائز ہے؟

فضیلۃ الشیخ احمد بن یحییٰ النجمی رحمہ اللہ جواب دیتے ہیں:

''رقیہ کے بدلے مال لینے کے متعلق مجھے ڈر ہے، اس کی وجہ سے میں اس کے متعلق خوفزدہ ہوں، اول اس لئے کہ نبی ﷺ کے صحابہ نے بکریوں کا ایک ریوڑ اس لئے حاصل کیا تھا کیونکہ انھوں نے اس بستی والوں سے ضیافت طلب کی تھی مگر انھوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا تھا، پھر جب ان کا سردار ڈنسا گیا تو انھوں نے کہا: تم نے ہماری مہمان نوازی سے انکار کیا اللہ کی قسم ہم تو مقررہ بدل لئے بغیر تمہارا رقیہ نہیں کریں گے، لہٰذا پہلی بات تو یہ ہوئی کہ انھوں نے یہ مال کفار سے لیا، اور دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے ان کی مہمان نوازی نہیں کی اس لئے انھوں نے یہ بدل حاصل کیا، اور میری رائے نہیں ہے کہ رقیہ کے لئے خود کو فارغ کرنے والا بدل لے اور اسے پابندی سے وصول کرے کیونکہ اس کے جواز کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے اور جہاں تک نبی ﷺ کے اصحاب کے واقعے سے دلیل پکڑنے کی بات ہے تو اس میں جو کچھ ہے آپ نے سن لیا اور اس طرح کے معاملات میں پرہیز بہتر ہے اور یہاں ایک دوسرا مسئلہ بھی ہے اور وہ یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر کا رقیہ کے لئے سفر کرنا، گویا اس میں راقی کے متعلق اعتقاد بیٹھ گیا ہو جبکہ عام طور پر جن شہروں میں وہ سفر کرتا ہے جہاں اس سے رقیہ طلب کیا جاتا ہے وہاں ممکن ہے دسیوں اہل علم موجود ہوں جو رقیہ کر دیتے ہوں۔ (فتح الرب الودود في الفتاوى والردود ص :۳۹۴ ج ۲ للعلامة احمد بن يحيىٰ النجمى رحمه الله تعالىٰ بحوالهRuqya.net)

ڈاکٹر علی بن نفیع علیانی فرماتے ہیں[1]:

(۱) اپنی کتاب :" الرُّقى على ضوء عقيدة أهل السنة والجماعة واتخاذها حرفة " ط . دار الصفوة القاهرة (ص 75 - 79) میں۔

''ان آخری زمانوں میں بعض اہل علم مریضوں کے رقیہ (جھاڑ پھونک) کے لئے کافی شہرت یافتہ ہیں اور چہار دانگ عالم میں مشہور ہو چکے ہیں کیونکہ آج وسائل نقل کی کثرت وسہولت ہے، اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کی بھی کثرت ہے اور وہ راقیوں کو مال بھی خوب دیتے ہیں، یہ (رقیہ) پڑھنے والے حضرات اپنا سب کام دھام چھوڑ سارا وقت مریضوں کا رقیہ کرنے پر لگائے ہوئے ہیں، اس کے لئے انھوں نے اپنے گھروں کو کشادہ کر رکھا ہے اور آنے والوں کے لئے تیار بیٹھے ہیں، اور انہیں بالکل اسی طرح اپائنٹمنٹ دیتے ہیں جیسے خاص اسپتالوں میں دئے جاتے ہیں، اور اس عمل کو انھوں نے اپنا پیشہ بنالیا ہے.. بتایا جائے کہ اس کیفیت کے ساتھ اس صورت کا جس کی سابقہ زمانوں میں کوئی مثال نہیں پائی جاتی ہے کیا حکم ہے؟ اس سوال کے پیش نظر اللہ کی توفیق سے عرض کرتا ہوں: یہ بات معلوم ہے کہ اللہ عزوجل نے رقیہ اور جھاڑ پھونک کے کاموں کو ان کے شرعی ضوابط کے ساتھ مشروع کیا ہے اور ان پر اجرت لینے کو بھی جائز رکھا ہے جیسا کہ صحیح بخاری رحمہ اللہ میں وارد ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''فاتحۃ الکتاب سے رقیہ کرنے کی شرطوں کا باب'' اور بسند خویش حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے کچھ اصحاب کا گزر ایک پانی کے پاس سے ہوا جہاں ایک ڈنک مارا ہو یا ڈنسا ہوا آدمی تھا، لہٰذا ان پانی والوں میں سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے کہا: کیا تم

میں کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے، پانی کے پاس ایک ڈنک مارا ہوا یا ڈنسا ہوا آدمی ہے؟ چنانچہ ان میں سے ایک شخص چل پڑا اوراس نے کچھ بکریوں کی شرط پر سورۂ فاتحہ پڑھی اور وہ اچھا ہوگیا پھر جب وہ شخص بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو انھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا اور کہا کہ تم نے اللہ کی کتاب پر اجرت لے لی، یہاں تک کہ وہ سب مدینہ آئے اور انھوں نے کہا: اس نے اللہ کی کتاب پر اجرت لی ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جن پر تم نے اجرت لی ہے ان میں سب سے زیادہ حقدار کتاب اللہ ہے''۔ (۲)

(۲) رواه البخاري (5737) ، وابن حبان (5124) ، والبيهقي (1866، 14182) ، والدارقطني (3019 – 3020).

ہم کہتے ہیں: اسی طرح کی بات حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں بھی واقع ہوئی ہے جس کی تخریج حسب ذیل ہے:

[رواه البخاري (2276،5736) ، ومسلم (2201) ، وأبو داود (3418،3419،3900) ، والترمذي (2063 - 2064) ، والنسائي في الكبرى (7534،7533) ، وفي عمل اليوم والليلة له (1035 -1038) ، وابن ماجه (2156) ، وأحمد (10،44/3) ، وابن حبان (6079 - 6080) ، والبيهقي (1866 ، 11456) والحاكم (559/1) ، وابن السني (636) ، والدارقطني (3015-3018) ، وابن الجارود في المنتقى (588)] ، توجہ فرمائیں کہ سنت کے ذخیرے میں کہیں بھی - یہاں تک کہ کسی ضعیف اثر میں بھی - وارد نہیں ہوا ہے کہ اس واقعے کے بعد لوگوں کی بھیڑ ابوسعید کے گھر میں ان سے رقیہ کرانے یا روحانی علاج کی طلب میں آتی رہی ہو!!.. اس لئے کہ دلوں کی توجہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں ہوئی بلکہ ان کی توجہ مقروء - یعنی قرآن کریم - کی طرف تھی۔ اور اگر ہمارے زمانے میں کسی بزرگ کے ساتھ ایسا ہوا ہوتا تو لوگوں کی بڑی بھیڑ ان کے دروازے پر جمع ہوجاتی اور ان کا گھر گھیر کر کھڑی ہوجاتی اور ان کا گھر سے نماز کے لئے بھی باہر آنا مشکل ہوجاتا اور بعض لوگ ان سے علاج کرانے کے لئے دور دراز کا سفر کر کے آنے لگتے۔ (اس حقیقت پر ضرور غور فرمائیے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی خود اسے اپنا پیشہ نہیں بنایا تھا نہ راقی کے نام سے مشہور ہوئے تھے)۔

جب رقیوں کی اباحت معلوم ہوگئی اور اس پر اجرت لینے کی بھی اباحت علم میں آگئی تو موضوع بحث اس کیفیت میں منحصر ہوگیا جس کے ذریعہ بعض متاخر قرّاء کے یہاں رقیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ ہے: اس عمل کے لئے خود کو فارغ کرنا اور اسے پیشہ اور حرفت بنالینا، اور لوگوں کے درمیان اسی سے مشہور ہوجانا، میرے نزدیک اس کیفیت پر قاری کے لئے بھی اور مقروء علیہم (جن پر رقیہ پڑھا جاتا ہے) ان کے لئے بھی بہت سے مفاسد مرتب ہوتے ہیں اور خرابیاں سامنے آتی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

اول : جب لوگوں کی بہت بڑی بھیڑ قاری کے پاس جمع ہوتی ہے تو عام لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس قاری میں کوئی خاص بات اور متعین خوبی ہے اسی لئے تو لوگ اس کے پاس اتنی بھیڑ لگائے رہتے ہیں، اور اس صورت حال میں قاری کی اہمیت مقروء - یعنی کلام اللہ - سے بھی بڑھ جاتی ہے، بلکہ بہت سے لوگ تو شاید مقروء کی اہمیت اور فائدے کے بارے میں سوچتے بھی نہیں ہیں، نظریں بس قاری (رقیہ کرنے والے) پر ہی لگی رہتی ہیں۔

جبکہ رقیہ میں اصل مقروء ہوتا ہے اور قاری اس کے تابع ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ) یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے۔ (الاسراء:

۸۲)[۳] اور فرماتا ہے: (قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو ایمان والوں کے لئے ہدایت وشفاء ہے۔(فصلت: ۴۴)[۴]۔ اس سے کوئی انکارنہیں کہ قاری کی نیکی، قوت ایمانی، اپنے رب پر اعتماد اور اس پر توکل کی اپنی تاثیر ہوتی ہے، مگر وہ موثر اصلی کے تابع ہوتی ہے اور موثر اصلی رب العالمین کا کلام ہے۔لہٰذا جو بھی ذریعہ مقروء۔یعنی کلام الٰہی۔ پر اعتماد کو کمزور کردے اسے بند کردینا چاہیے اور کھولنا نہیں چاہیے۔

(۳) الإسراء : 82. (۴) فصلت : 44.

ابن قیم فرماتے ہیں: قرآن توتمام قلبی وبدنی اور دنیا وآخرت کی بیماریوں کے لئے شفائے کامل ہے، مگر ہر ایک اس سے شفاء حاصل کرنے کا اہل ہے نہ اسے اس کی توفیق ملتی ہے، اور جب بیمار اس سے اچھی طرح دوا کرلے جائے اور صدق وایمان، قبول تام، پختہ اعتماد اور تمام شرطوں کی تکمیل کے ساتھ اسے اپنی بیماری پر رکھ دے تو بیماری اس کا مقابلہ ہرگز نہیں کرسکے گی۔اور بیماریاں آخر رب ارض وسماء کے کلام کا مقابلہ کیسے کرپائیں گی جسے اگر پہاڑوں پر نازل کیا گیا ہوتا تو اس کے ٹکڑے ہوجاتے اور اگر زمین پر نازل ہوگیا ہوتا تو اسے کاٹ کر رکھ دیتا۔[۵]

(۵) زاد المعاد (178/3).

دوم : جب ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر، ان کے صحابہ کی سیرت پر اور ان علمائے اسلام کی سیرت پر جن کے علم وفضل پر اعتماد کیا جاتا ہے نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملتا ہے جو اپنا سب کام دھام چھوڑ کر رقیہ کے ذریعہ مریضوں کا علاج کرنے پر پل پڑا ہو، اسے اپنا پیشہ بنالیا ہو، اسی کے ساتھ لوگوں میں ایسا مشہور ہوگیا ہو کہ جب اس کا نام آتا ہو تو ساتھ ہی اس پیشے کا بھی ذکر کیا جاتا ہو، جبکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امراض کی کثرت تو ہر زمانے میں لوگوں کے اندر ہوا کرتی تھی، اور ہم نے مسلمانوں کے خلفاء میں سے بھی کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے کسی قاری کا تقرر اپنے اوپر اللہ کی کتاب پڑھنے کے لئے کیا ہو، ہاں اگر کوئی فاضل اور دیندار عالم ان کے سامنے آجاتا تو وہ اس سے رقیہ کی درخواست کرلیتے اور وہ ان پر قرآن پڑھ دیتا تھا اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں تھا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اپنی اصل کے اعتبار سے اگر کوئی چیز مشروع بھی ہو مگر اس کے ساتھ کوئی نئی کیفیت جوڑ دی جائے تو بھی وہ ممنوع ہوجاتی ہے۔چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ ان کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جس کے پاس ایک تسبیح تھی جس پر وہ پڑھ رہی تھی تو آپ نے اسے کاٹ کر پھینک دیا، پھر ان کا گزر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو کنکریوں پر تسبیح پڑھ رہا تھا تو آپ نے اسے اپنے پاؤں سے مارا، اس کے بعد فرمایا: تم لوگ ظالمانہ طور پر ایک بدعت لائے ہو یا پھر علم میں اصحاب محمد۔ﷺ۔ پر فائق ہوچکے ہو؟[۶]

(۶) سنن الدارمي (204) ، البدع لابن وضاح (ص 8) ، وإسناده صحيح .

اگر رقیوں کے ذریعہ مریضوں کے علاج، کے لئے یکسو ہوجانا اسے پیشہ بنانا، اور اسی سے لوگوں میں مشہور ہونا خیر کا کام ہوتا تو ہم سے پہلے کے لوگ ایسا کرچکے ہوتے، اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ دوسرے زمانوں کے مقابلے میں ہمارے زمانے میں مریضوں کی تعداد زیادہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ نہ تو خلفاء کے درمیان ان کی کثرت کا مقابلہ ہوا نہ ائمہ اربعہ کے یہاں ان کی بڑی تعداد ایسی نظر آئی جیسے آج اس زمانے میں رقیہ پڑھنے

والوں کی بھاری تعداد مشہور نظر آتی ہے، جو چیز قاری (یعنی جھاڑ پھونک کرنے والے) کو شہرت دلاتی ہے وہ ہے ان کے لئے جگہ کا خاص ہونا، اور اپنی چاہت کے مطابق وہاں لوگوں کا استقبال کرنا، اور ان کے لئے طبیبوں، دکانداروں اور صنعت کاروں کی طرح مخصوص اوقات متعین کرنا۔

میرے خیال میں اگر ابن تیمیہ نے مریضوں پر (رقیہ) پڑھنے کی کوئی دکان کھول لی ہوتی اور ان کی چاہت کے مطابق ان کا استقبال کرتے تو پھر صفحۂ قرطاس کی سفیدی پر ایک بھی سیاہی نہ دوڑا سکتے، بالخصوص جبکہ زمانہ جہالت کا ہو، امیت وخرافات ہر سو چھائی ہوئی ہوں، اور لوگ (صوفی) مشائخ اور اصحاب طریقت کے دلدادہ ہوں۔ حقیقت یہی ہے کہ علمائے اہل سنت نے -ان پر اللہ کی بیشمار رحمتیں نازل ہو- اس کام کو صرف اپنی فقاہت ہی کی وجہ سے ترک کر رکھا تھا۔

سوم : کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب شیاطین یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ کسی شخص کے ساتھ ایسے جڑ گئے ہیں تو وہ اس طرح اس کی مدد کرتے ہیں کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی ہے، لہٰذا وہ اس بات کا اعلان کرنے لگتے ہیں کہ وہ فلاں سے خائف ہیں اور اس کی وجہ سے مریض کے اندر سے نکل بھاگتے ہیں، اسی طرح کے دیگر کام بھی کرتے ہیں، مقصد یہی ہوتا کہ جو کچھ وہ پڑھتا ہے اس کے مقابلے میں لوگوں کا اعتماد خود اس کی ذات پر بڑھ جائے اور وہ یہ اعتقاد رکھنے لگیں کہ اس آدمی کے اندر کوئی خاص راز کی بات پائی جاتی ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنی بیوی سے فرمایا تھا جب انھوں نے یہ کہا تھا کہ: میری آنکھ میں تکلیف ہوتی تھی تو میں فلاں یہودی کے پاس جاتی تھی اور وہ وہاں دم کر دیتا تھا، اور جب وہ دم کر دیتا تو وہ پرسکون ہوجاتی تھی۔ انھوں نے فرمایا: یہ تو شیطان کا کام تھا جو وہاں کچوکے لگاتا تھا، پھر جب وہ وہاں دم کر دیتا تو وہ اس سے رک جاتا تھا.. الحدیث۔ (۷)

(۷) عن زينب امرأة عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قالت : إن عبد الله رأى في عنقي خيطاً فقال : ما هذا ؟ ، قلت : خيط رُقِي لي فيه ، قالت : فأخذه ثم قطعه ، ثم قال : أنتم آل عبد الله لأغنياء عن الشرك ، سمعتُ رسول الله ﷺ يقول : " إن الرُّقى والتمائم والتولة شرك " فقلت : لقد كانت عيني تقذف ، وكنت أختلف إلى فلان اليهودي ، فإذا رقى سكنت ، فقال عبد الله : إنما ذاك عمل الشيطان ، وكان ينخسها بيده ، فإذا رقى كف عنها ، إنما كان يكفيك أن تقولي كما كان رسول الله ﷺ يقول : " أذهب الباس ، رب الناس ، واشف أنت الشافي ، لا شفاء إلا شفاؤك ، شفاءً لا يغادر سقما " رواه أحمد (381/1) ، وأبو داود(3883) ، وابن ماجه (3530) ، وابن حبان (6058) ، والبيهقي (19387) ، وأبو يعلى (5208) ، والطبراني في الكبير (174/9) ، والحاكم (418/4) وقال : هذا حديث صحيح الإسناد على شرط الشيخين ولم يخرجاه وأقره الذهبي ، وصححه الألباني في الصحيحة (854/1) ، وصحيح سنن ابن ماجه (269/2) ، قلت : وفي رواية الطبراني أنها تقرأ الإخلاص والفلق والناس .

لوگوں کے ساتھ شیاطین کا جو مکر ہوتا ہے وہ اتنا بڑا مکر ہوتا ہے کہ اسے صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اللہ کے دین میں فقاہت کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں، کیونکہ لوگوں کا معاملہ تو یہ ہوتا ہے کہ جب وہ عجیب وغریب حکایات سنتے ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں رقیہ پڑھنے والے قاری صاحب کے پاس اکثر آسیب

زدہ لوگوں پر جنوں کی حاضری ہوتی ہے اور شیاطین ان کی زبان پر بولنے لگتے ہیں اور شیخ صاحب ان سے عہد لے لیتے ہیں کہ اب وہ دوبارہ اس آسیب زدہ پر سوار نہیں ہوں گے!!! اور اسی طرح کی کہانیاں کثرت سے سنائی دینے لگتی ہیں تو ہر مریض ان شیخ صاحب کی دید کا مشتاق ہو اٹھتا ہے اور لوگ جوق در جوق ادھر کا رخ کرنے لگتے ہیں اور رخت سفر باندھ باندھ کر آتے ہیں۔ ہر آنے والا یہ جان لینے کا خواہاں ہوتا ہے کہ اس کے اندر تو کوئی جن نہیں بیٹھا ہوا ہے، اگر اس کثرت سے یہ حال کرامات میں سے بھی ہو تو بھی قاری صاحب کو چاہیے کہ اس کے انجام سے خوف زدہ ہو جائیں۔ مگر جب یہ بھی احتمال موجود ہو کہ یہ صورت حال استدراج اور شیاطین کی چالوں کی قبیل سے بھی ہوسکتی ہے تب کس قدر متنبہ ہونے کی ضرورت ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''اور چونکہ خوارق سے بیشتر یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا درجہ گھٹ جاتا ہے اس لئے بہت سے صالحین اس طرح کی چیزوں سے توبہ کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے جیسا کہ زنا اور چوری جیسے گناہوں سے توبہ کی جاتی ہے، اور بعض پر جب ان کی پیشکش ہوتی تو وہ اللہ سے ان کے زوال کی دعا کرتے تھے، اور سب کے سب (مشائخ) مرید سالک کو یہی حکم کرتے رہے کہ دیکھنا یہیں ٹھہر نہ جانا اور اسی کے پیچھے پڑ کر نہ رہ جانا، نہ انہیں کرامتیں سمجھ کر اتراتے پھرنا، پھر جب صورت یہ ہو کہ حقیقت میں ان چیزوں کے ذریعہ شیاطین انہیں اغوا کرتے ہوں تب کس قدر محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں نباتات جن سے گفتگو کرتے تھے اور انہیں یہ بتایا کرتے تھے کہ میرے اندر فلاں فلاں منفعتیں پائی جاتی ہیں، درحقیقت ان کے اندر سے شیاطین انہیں مخاطب کیا کرتے تھے! میں ایسے لوگوں کو بھی میں جانتا ہوں جن سے شجر و حجر باتیں کیا کرتے ہیں! اور کہتے ہیں: آپ کو مبارک ہو آپ کے کیا کہنے ہیں اے اللہ کے ولی! پھر جب وہ آیت الکرسی پڑھتے ہیں تو یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور میں ایسے لوگوں کو بھی جانتا ہوں کہ جب وہ پرندے کا شکار کرنا چاہتے ہیں تو چڑیاں وغیرہ ان سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں کہ: آپ مجھے پکڑ لیجئے تاکہ غریب لوگ مجھے کھائیں۔ جبکہ ان کے اندر شیطان ہوتا ہے جیسا کہ انسان کے اندر داخل ہو کر وہ انہیں مخاطب کرتا ہے۔ (۸)

(۸) مجموع الفتاوی (30/11).

چہارم: وہ (رقیہ کرنے والا) قاری جب یہ دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے دروازے پر بھیڑ لگا رہے ہیں، مریضوں کی بھاری تعداد کو اللہ تعالیٰ اس کے رقیہ (دم جھاڑے) کی وجہ سے شفا اور عافیت عطا فرما دیتا ہے، اور یہ شیاطین کس طرح اس سے ڈرتے ہیں اور آسیب زدوں کے اندر سے نکل جاتے ہیں؟ تو اس کے اندر یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ وہ اولیائے ابرار میں سے ہے، اور عجب وخود پسندی وغیرہ کا شکار ہوسکتا ہے۔ جبکہ سلف صالحین -رضوان اللہ علیہم- اس امر سے ڈرا کرتے تھے اور اس کے دروازے بند کر دیا کرتے تھے۔

ابن عیینہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب -رضی اللہ عنہ- نے حضرت ابی کے ساتھ ایک جماعت کو دیکھا تو ان پر درہ (۹) تان لیا، تب حضرت ابی نے فرمایا: -اللہ آپ پر رحم فرمائے- دیکھئے تو سہی آپ کیا کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے فرمایا: آپ کو معلوم نہیں کہ یہ متبوع (جس کے پیچھے لوگ چلتے ہوں) کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے سامان ذلت ہے''۔ (۱۰)

(۹) درہ اسے کہتے ہیں جس سے مارا جاتا ہے (لاٹھی)۔

(۱۰) عن سليم بن حنظلة قال : بينا نحن حول أُبيّ بن كعب نمشي خلفه إذ رآه عمر ، فعلاه بالدِّرة ، فقال : انظر ياأمير المؤمنين ما تصنع ! ، فقال : إن هذا ذلة للتابع وفتنة للمتبوع [أخرجه ابن أبي الدنيا في التواضع والخمول (51) ، وابن المبارك في الزهد (48 - زيادات نعيم) ، والدارمي (523) ، وابن عبد البرفي جامع بيان العلم وفضله (1/ 144) ، والذهبي في تذكرة الحفاظ (8/1) ، والغزالي في إحياء علوم الدين (3/ 428)] .

اور ابن مسعود ایک دن باہر نکلے تو لوگ ان کے پیچھے لگ گئے، تو انھوں نے ان لوگوں سے فرمایا: کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں، مگر ہم آپ کے ساتھ ساتھ چلنا چاہتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: لوٹ جاؤ کیونکہ یہ عمل تابع (پیچھے چلنے والے) کے لئے ذلت اور متبوع (جس کے پیچھے چلا جاتا ہے) کے لئے فتنہ ہے۔

وخرج ابن مسعود ذات يوم فاتبعه ناس ، فقال لهم : ألكم حاجة ؟ ، قالوا : لا ، ولكننا أردنا أن نمشي معك ، قال : ارجعوا فإنه ذلة للتابع وفتنة للمتبوع [سنن الدرامي (527) ، صفة الصفوة (1/ 214) لابن الجوزي].

اب دیکھئے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے متعلق پیروکاروں اور تلامذہ کی کثرت سے جوان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں خوف محسوس کررہے ہیں تو دوسرے لوگ تو خوف کے اور سد ذریعہ کے زیادہ حقدار ہیں۔

اور (رقیہ کے) یہ قاری صاحب جن کی حالت بیان کی گئی ہے ان کا حال اس طبیب جیسا نہیں ہے جس کے دروازے پر لوگ بھیڑ لگاتے ہیں، کیونکہ طبیب تو ایک معروف طریقۂ علاج کے مطابق علاج کرتا ہے اور اس کے اندر یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اسی وقت مفید ہوگا جب وہی اسے لکھے گا بلکہ اس کا ماننا یہ ہوتا ہے کہ یہ معاملہ طبیب سے نہیں بلکہ علاج سے مربوط ہے جبکہ راقی کا معاملہ اس کے برخلاف ہوتا ہے کیونکہ بسا اوقات وہ یہی سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ معاملہ علاج سے نہیں اسی سے مربوط ہے، اس لئے کہ قرآن تو تمام مسلمانوں کے پاس موجود ہے اور وہ اسے پڑھ بھی سکتے ہیں، اس کے باوجود لوگ اسی سے پڑھوانے پر مصر ہیں، لہٰذا اس کے اندر عجب وغرور پیدا ہوسکتا ہے، اور اس کے اندر اپنے متعلق طرح طرح کے خیال آسکتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس طرح کی چیزوں سے دور رہنا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پنجم : سابقہ کیفیت والے قراء (رقیہ کرنے والوں) کے متعلق یہ چیز دیکھنے میں آئی ہے کہ وہ بلا علم باتیں کیا کرتے ہیں، اور وہ یوں کہ جب وہ کسی مریض پر پڑھتے ہیں اور جن اس کی زبان پر نہیں بولتا ہے (یعنی اس کی حاضری نہیں ہوتی ہے) تو کہہ دیتے ہیں کہ تمہارے اندر جن نہیں ہے، تمہیں نظر لگی ہے، یا یہ کہ تمہارے اندر جن ہے نہ تمہیں نظر لگی ہے اور اسی طرح کی دوسری باتیں بھی کہا کرتے ہیں، جبکہ لسان حال سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ کسی آسیب زدہ پر ہمارے پڑھتے ہی جن کو لازمی طور پر ہم سے یا ہماری قرأت سے ڈر کر حاضر ہونا چاہیے اور بات کرنی چاہیے۔ حالانکہ اس پر ذرا بھی کوئی علمی چھاپ نظر نہیں آتی ہے، کیونکہ جب آسیب زدہ پر رقیہ پڑھا جاتا ہے اور اس کے اندر بیٹھا ہوا جن خوفزدہ ہوجاتا ہے تو کبھی ڈر کر بولنے لگتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ نہ بولتا ہے نہ خوفزدہ ہوتا ہے! تب یہ لوگ یقین کے ساتھ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ مقروء علیہ (یعنی جس پر رقیہ پڑھا جارہا ہے) کے اندر کوئی جن موجود نہیں ہے یا نظر لگی

ہے؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاری صاحب کے اس فیصلے کی وجہ سے وہ مریض اس طرح کے حالات کیلئے نبی ﷺ کی ماثور دعائیں بھی ترک کر بیٹھے، جبکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: (وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا) جس بات کی تجھے خبر نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔ (الاسراء:۳۶) (۱۱)

(۱۱) الإسراء : 36.

ششم : مذکورہ کیفیت والے قراء (رقیہ پڑھنے والوں) کو یوں بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کی ایک ٹولی کو جمع کر لیتے ہیں اور ملاقاتیوں کی کثرت کے باعث وقت بچانے کے لئے بیک وقت ان سب کے لئے ایک ہی قرأت پر اکتفا کرتے ہیں، پھر وہ ان کے برتنوں پر گشت کرتے ہیں اور ان میں اپنا تھوک یا لعاب ڈالتے جاتے ہیں جبکہ ان کے منہ کی وہ طراوٹ جس میں قراءت کی گئی ہوتی ہے وہ تو ایک ہی دو آدمیوں کے برتنوں میں ختم ہو جاتی ہے، تب اس قاری کو یہ فضیلت کب حاصل ہوگئی کہ اس کا لعاب پورا کا پورا مبارک ہے یہاں تک کہ اگر اس میں تلاوت قرآن کی آمیزش نہ ہو تو بھی اسے یہ خصوصیت حاصل ہے، جناب یہ کیسے جائز کر لیتے ہیں کہ وہ ایک قرأت پر سو برتنوں میں یا اس سے زیادہ میں تھوکیں (یا پھونک ماریں)؟ اور سلف صالح کے عمل سے اس صورت کی دلیل کہاں ہے؟

ہفتم : سابقہ کیفیت کے ساتھ رقیہ کرنے والوں کو جس طرح بھاری مال ہاتھ آتا ہے اور ان پر روپوں کی بارش ہوتی ہے اسے دیکھتے ہوئے ہوسکتا ہے کہ کچھ شعبدہ باز اور دجال لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوں، اور قرأت کا سہارا لئے کمائی کے خیال سے دکان کھول کر بیٹھ جائیں، حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیں، اور لوگوں پر بڑے شر کا دروازہ کھل جائے، اور شعبدہ بازوں پر بھی کوئی نکیر اس لئے نہ کی جاسکے کہ ان کا معاملہ ان قراء کے ساتھ خلط ملط ہو چکا ہے جو اپنی قرأت اور رقیہ میں شعبدے اور کہانت سے کام نہیں لیتے ہیں، کیونکہ ان میں تمیز دشوار ہوگی، اور شر کی طرف لے جانے والے ذرائع کا راستہ مسدود کر دینا واجب ہے، یہاں تک کہ اگر ایسا کرنے والے کا مقصود حق بھی ہو تو بھی یہی کرنا چاہیے، یہ دیکھئے حضرت عبداللہ بن مسعود، ان کے شاگردوں اور علمائے محققین کی ایک جماعت نے سد ذریعہ کے طور پر قرآن لٹکانے سے بھی منع فرمایا ہے حالانکہ وہ اللہ کا کلام ہے، تاکہ اسے ذریعہ بناتے ہوئے لوگ تعویذیں نہ لٹکانے لگیں۔ (۱۲)

(۱۲) دیکھئے: فتح المجيد (132) ، ومعارج القبول (469/1).

اسی تعلیل کا فتوی مملکت (سعودی عرب) کی دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات وافتاء نے بھی فتوی نمبر ۹۹۲ تاریخ ۴/۴/ ۱۳۹۵ھ میں دیا ہے۔ (۱۳)

(۱۳) مجلة البحوث الإسلامية العدد 25 عام 1409 هـ ، (ص 40).

ہشتم : مذکورہ کیفیت والے بعض قراء جو لوگوں پر (رقیہ) پڑھنے کے لئے خود کو فارغ کر لیتے ہیں اور اسی کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام مستحبات میں سے ہے، جبکہ استحباب ایک حکم شرعی اور ایک عبادت ہوتا ہے، اور یہ خیال بدعت کے ارتکاب کی طرف لے جاسکتا ہے کیونکہ جس نے کسی ایسی چیز کو مستحب سمجھا جسے رسول اللہ ۔ ﷺ ۔ نے کیا ہے نہ ان کے خلفائے راشدین نے کیا ہے حالانکہ ان کے زمانے میں بھی اس

کا مقتضی موجود تھا (یعنی اس زمانے میں بھی یہ صورت حال موجود تھی اور ایسے مریض پائے جاتے تھے) تو اس نے بدعت ہی کا ایک عمل کیا ہے، کیونکہ رسول اللہ ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اور ان کے خلفائے راشدین نے اگرچہ مریضوں پر رقیہ بھی پڑھا ہے اور (بعض صحابہ نے) اس پر اجرت بھی لی ہے جیسا کہ گزرا مگر وہ اس کام کے لئے فارغ ہوکر نہیں بیٹھ گئے تھے، اور اسی کے نام سے ان کی کوئی واضح شہرت بھی نہیں تھی کہ جب ان کا ذکر ہو تو ان کے اس کام کے لئے فارغ ہوجانے کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ بھی لگایا جائے کہ وہ آسیب زدہ پر رقیہ پڑھنے والے قاری صاحب ہیں۔انھوں نے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اسے کمائی کا ذریعہ اور پیشہ وحرفت نہیں بنالیا تھا۔

نہم : یقیناً صحابہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو قبولیت دعا کے لئے مشہور تھے، مثلاً سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں جنھیں جنت کی خوشخبری ملی تھی، اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لئے رسول اللہ ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے قبولیت دعا کی دعا فرمائی تھی [۱۴]۔اور بعض تابعین بھی مشہور تھے مثلاً اویس قرنی ۔رضی اللہ عنہ۔ مگر اس کے باوجود یہ منقول نہیں ہے کہ مسلمانوں نے ان لوگوں کے دروازوں پر بھیڑ لگائی ہو اور فوج درفوج دعا کرانے آتے ہوں، جبکہ ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی وجہ سے مسلمان دین ودنیا کی بھلائی کے لئے ان سے دعا کرانے کے ضرورتمند بھی تھے، اور اس بات میں شرعی اعتبار سے بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ مسلمانوں کا کوئی فرد ان میں سے کسی کے پاس جائے اور اپنے لئے دعا کا طالب ہو، جبکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اویس قرنی کے ساتھ ایسا کیا بھی تھا، کیونکہ رسول اللہ ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے انہیں اس کی رہنمائی بھی فرمائی تھی، اس کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر حضرت عمر بن خطاب یہ دیکھتے کہ دعا کرانے کے لئے اہل مدینہ حضرت اویس کے پاس بھیڑ لگائے ہوئے ہیں، اہل مکہ اور اہل عراق بھی اسی غرض سے ان کے پاس آرہے ہیں تو گو انھوں نے خود ایسا کیا تھا مگر لوگوں کے اس وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے بلکہ خود اویس قرنی کے فتنے میں پڑجانے کی وجہ سے انہیں اس کام سے منع کردیتے، اور یہ حضرت اویس قرنی ۔رضی اللہ عنہ۔ کی فقاہت ہی تھی کہ انھوں نے خود کو مخفی رکھنے کی کوشش کی اور خود کو نہ دوسروں کو فتنہ کے لئے پیش فرمایا....

(۱۴) سير أعلام النبلاء (11/1) ، والحاكم في المستدرك (499/3) وصححه الذهبي ، والبيهقي في الدلائل (189/6) ، والسيوطي في الخصائص الكبرى (165/2) .

اور میری نظر میں رقیہ بھی دعا ہی کی طرح ہے بلکہ وہ بھی دعا ہی ہے، لہٰذا اسی طرح اگر کسی بستی کے لوگ کسی شخص کی صالحیت کی ظاہری حالت سے متاثر ہوکر اپنی اولاد کو اس شخص کے پاس کھجور وغیرہ سے تحنیک کیلئے لانے لگیں تو یہ کام بھی نامناسب ہوگا کیونکہ اس میں شخص مذکور کے لئے بھی فتنے کا خدشہ ہے اور لوگوں کے لئے بھی اندیشہ ہے۔شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے تبرک کی اس صورت اور دیگر صورتوں کے متعلق فرمایا: ''اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سے بھی طلب کیا جائے، جبکہ اس کے متعلق اس بارے میں اطمینان نہیں ہے کہ اس سے وہ فتنے میں پڑجائے، اس کے اندر خود پسندی پیدا ہوجائے اور اس کی وجہ سے وہ عجب، کبر اور ریاء کا شکار ہوجائے، تب یہ چیز منہہ پر اس کی تعریف جیسی ہوجائے بلکہ اس سے بھی بڑی بات ہوجائے [۱۵] ہمارا کہنا یہ ہے

کہ جس شخص کے پاس ہزاروں لوگ اپنا رقیہ کرانے آتے ہوں اور سب قاضیوں، مفتیوں اور اہل علم کو چھوڑ کر آتے ہوں اس کا کیا حال ہوسکتا ہے؟ کیا اس کے متعلق فتنے کا خوف نہیں ہے؟!

(۱۵) تيسير العزيز الحميد (ص186).

دہم : جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کام میں لوگوں کے ساتھ مفسدہ (ناپسندیدہ صورت حال اور نقصان) جڑا ہوا ہے بالخصوص عوام کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام سے زیادہ (رقیہ پڑھنے والے) قاری سے اپنا تعلق جوڑ لیتے ہیں، جب وہ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء وصلحاء (نیک لوگوں اور بزرگوں) کے یہاں کوئی بھیڑ دکھائی نہیں دیتی جبکہ یہاں اتنی بھیڑ نظر آتی ہے تو وہ شفا کو اسی شخص کے ساتھ مرتبط ماننے لگتے ہیں۔ (بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا بھی جاتا ہے کہ اور کوئی فلاں فلاں کو ٹھیک نہیں کر پایا مگر فلاں صاحب نے آتے ہی اسے ٹھیک کر دیا)۔ اس کیفیت میں خود قاری (رقیہ کرنے والے) کے لئے شہرت اور عجب کی جہت سے اور ایسی کیفیت کی ایجاد (بدعت) کی وجہ سے بھی مفسدہ پایا جاتا ہے جو سلف صالح کے نزدیک معروف نہیں تھی کہ وہ سیکڑوں لوگوں پر ایک ہی بار پڑھ دیتے ہوں اور اس قرأت کے بعد ان سب کے برتنوں میں پھونک مارتے ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ درء مفسدہ (نقصان کا دور کرنا) حصول مصلحت (فائدے کے حصول) پر (اصولی اعتبار سے) مقدم ہے، بالخصوص اس صورت میں جبکہ مصلحت (فائدے) کے مقابلے میں مفسدہ (نقصان) بہت بڑا ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ) (الانعام:۱۰۸) اور مت گالی دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ ذہن نشین رہے کہ مشرکوں کا اللہ عزوجل کی شان میں گستاخی کرنا ایک بڑا مفسدہ ہے اور مومنوں کا مشرکوں کے معبودوں کی تنقیص کرنا ایک عظیم مصلحت ہے، مگر یہاں مفسدہ (نقصان اور خرابی) کے دور کرنے اور اس کا خاتمہ کرنے کو حصول مصلحت پر مقدم کیا گیا کیونکہ اس کی وجہ سے بہت بڑا بگاڑ اور فساد رونما ہوسکتا تھا۔

یازدھم : لوگوں کے رقیہ کے لئے فارغ ہو رہنے والے کے اندر اس شخص کی مشابہت پائی جاتی ہے جو لوگوں کے لئے دعا کرنے کے لئے خود کو فارغ کر لے، کیونکہ رقیہ اور دعا ایک ہی جنس سے ہیں تو کیا کسی طالب علم کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم لوگ میرے پاس اپنے لئے دعا کرانے کی خاطر آیا کرو؟! یہ چیز سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہے کیونکہ حضرت عمر بن خطاب وغیرہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم أجمعین اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی ان سے دعا کی گزارش کرے اور فرمایا کرتے تھے کہ کیا ہم لوگ انبیاء ہیں؟(۱۶)

(۱۶) الحكم الجديرة بالإذاعة بين يدي الساعة ، لابن رجب الحنبلي (ص 54) ..

دوازدھم : اس کیفیت کے عام ہونے سے عوام میں اور علم سے نابلد لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہی کیفیت رقیہ کا صحیح طریقہ ہے لہٰذا لوگ دوسروں سے ہی رقیہ کے طلبگار ہوتے رہیں گے اور خود اپنا اپنا رقیہ کرنے اور رب سماوات وارض کے سامنے خود کو ڈال دینے اور اس سے براہ راست شفا مانگنے کی سنت کو ترک کر بیٹھیں گے۔

❖ ❖ ❖

ایمانیات

[۱]

قرآن وسنت کے نصوص میں نور وظلمات

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

نور وظلمات قرآن کریم میں

اللہ کی کتاب (قرآن کریم) میں نور وظلمت کا ذکر بہت ساری آیات میں آیا ہے' جس میں نور کے حصول کی خاطر کوشش اور اللہ سے اس کا سوال کرنے کی ترغیب نیز تاریکیوں سے دور رہنے اوران سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کا پتہ چلتا ہے، ان میں سے چندآیات درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ عزوجل نے منافقین کے بارے میں ارشادفرمایا:

{مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ○ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ} (البقرہ:۱۷-۱۸)۔

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی' پس جب آس پاس کی چیزیں روشن ہوگئیں تو اللہ نے ان کے نور کوختم کردیا اور انھیں اندھیروں میں چھوڑ دیا جونہیں دیکھتے۔ (یہ) بہرے' گونگے' اندھے ہیں، پس وہ نہیں لوٹتے۔

حضرات عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ، مقاتل، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ یہ آیتیں منافقوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نفاق میں ان منافقوں کی مثال اس شخص جیسی ہے جوکسی تاریک رات میں کسی صحراء میں آگ روشن کرے، اس سے حرارت حاصل کرے اور اسے اپنے اردگرد کی چیزیں نظر آنے لگیں، اور (نتیجۃً) جس چیز سے وہ خائف تھا وہ خوف اس سے جاتا رہے' اورابھی اسی حال میں ہوکہ یکا یک اس کی آگ گل ہوجائے اور وہ تاریکی میں حیران وپریشان اورسراسیمہ پڑا رہ جائے، چنانچہ اسی طرح منافقین بھی ہیں کہ کلمۂ ایمان (شہادتین) کے اظہار سے ان کے مال واولاد محفوظ ہوئے، مومنوں کے ساتھ شادی بیاہ اور وراثت کے معاملات طے پائے، اموال غنیمت میں ان کے ساتھ حصہ بٹایا، یہ ان کا نور ہے، اور جب یہ منافقین مریں گے تو پھر دوبارہ اسی تاریکی اور خوف وہراس سے دوچار ہوں گے۔ (تفسیر البغوی،۱/۵۳)۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''آیت کریمہ کی سب سے بہتر تفسیر وہ ہے جو قتادہ اورضحاک نے کی ہے، اور جو حضرت علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(جامع البیان عن تاویل آی القرآن،۱/۳۲۴، اوران کے قول کے لئے اپنی سندا/۳۲۳ میں ذکرکیا ہے)۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ذکرکیا ہے کہ ان منافقین نے اللہ' اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں' رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان ظاہرکیا' جس کے سبب دنیا میں ان کی جان ومال کی حفاظت اور ان کی نسل کی امن وسلامتی کا فیصلہ کیا گیا، بعینہ اسی طرح جس طرح آگ روشن کرنے والا آگ سے روشنی حاصل کرلے یہاں تک کہ جب اس کی روشنی سے فائدہ اٹھالے اوراپنے اردگرد کی

چیزیں دیکھ لے تو اس کی آگ بجھ جائے اور اس کی روشنی جاتی رہے، اور حسب سابق دوبارہ تاریکی اور حیرانی میں مبتلا ہوجائے، چنانچہ اللہ عزوجل قیامت کے روز ان کی روشنی گل کردے گا' اور وہ مومنوں سے ٹھہرنے (انتظار کرنے) کا مطالبہ کریں گے تاکہ ان کے نور سے روشنی حاصل کرسکیں، تو ان سے کہا جائے گا: اپنے پیچھے کی طرف پلٹو اور روشنی تلاش کرو (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن،۱/۳۲۶،والجامع لاحکام القرآن للقرطبی،۱/۲۳۰)، چنانچہ وہ آخرت میں قبر کی تاریکی' کفر کی تاریکی' نفاق کی تاریکی اور قسم قسم کے گناہوں کی تاریکیوں سے دوچار ہوں گے (دیکھئے: تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی،ص۲۷)۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے تھے اور پھر ایمان کے بعد کفر کیا تھا، چنانچہ رقمطراز ہیں: ''اس مثال کی تقدیر (وضاحت) یوں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے (اپنانے) اور بصیرت کے بعد اندھے پن کا شکار ہوجانے میں ان کی تشبیہ اس شخص سے دی ہے جو آگ روشن کرے اور جب اس کے ارد گرد روشنی پھیل جائے اور وہ اس سے فائدہ اٹھالے اور اپنے دائیں بائیں کی چیزیں دیکھ لے اور اس سے خوش ہوجائے اور ابھی وہ اسی حالت میں ہو کہ یکا یک اس کی آگ گل ہوجائے اور وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہوجائے' نہ اسے نظر آئے اور نہ ہی وہ راستہ پاسکے' اس پر مستزاد یہ کہ وہ بہرا ہو سن نہ سکے' گونگا ہو بول نہ سکے' اندھا ہو جسے روشنی کے باوجود بھی نظر نہ آئے' جس کے سبب وہ اپنی پہلی جگہ لوٹ بھی نہ سکتا ہو، چنانچہ ہدایت کے عوض ضلالت اور راہ راست کے بدلے گمراہی اختیار کرنے میں یہ منافقین بھی اسی طرح ہیں، اور اس مثال سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے تھے' پھر (دوبارہ) کفر اختیار کرلیا تھا'' (تفسیر القرآن العظیم،۱/۵۱)۔

نیز (امام ابن کثیر رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: ''امام ابن جریر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہاں جن کی مثال بیان کی گئی ہے وہ کبھی بھی ایمان سے بہرہ ور نہ ہوئے تھے' اور انھوں نے اس پر (درج ذیل) فرمان باری سے استدلال کیا ہے:

{وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ} (البقرہ:۸)۔

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

جبکہ درست بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں ان کے حالت نفاق اور کفر کی خبر دی جارہی ہے، اور اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس سے قبل کبھی ایمان سے بہرہ ور ہوئے ہوں اور پھر محروم کردیئے گئے ہوں، اور ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہو، امام ابن جریر رحمہ اللہ کو یہ آیت کریمہ مستحضر نہ تھی:

{ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ} (المنافقون:۳)۔

یہ اس لئے کہ یہ ایمان لائے، پھر کفر کیا، چنانچہ ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی، تو وہ سمجھنے کے لائق ہی نہ رہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات ختم ہوئی (تفسیر القرآن العظیم، ۱/۵۱)

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان کی حالت کے مطابق ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ روشن کی ہو' یعنی وہ شخص گھپ اندھیرے میں ہو اور آگ کی ضرورت شدید تر ہو، چنانچہ وہ کسی اور سے آگ روشن کرائے' خود اس کے پاس تیار بھی نہ ہو بلکہ اس سے خارج ہو، چنانچہ جب آگ سے اس

کے آس پاس کی جگہ روشن ہوجائے اور وہ اپنی جائے قیام اور اس کی خوفناکیوں اور خطرناکیوں کو دیکھ لے اور اس سے مامون و محفوظ ہوجائے' اور اس سے فائدہ اٹھالے اس سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوجائے' اور وہ یہ محسوس کرلے کہ حالات اس کے قابو اور بس میں ہیں' اور ابھی وہ اسی حال میں ہو کہ اچانک اللہ تعالیٰ اس کی روشنی غائب کردے اور اس سے اس کا نور زائل ہوجائے، اور اسی کے ساتھ اس کی خوشی ومسرت بھی جاتی رہے اور وہ بڑی سخت تاریکی میں جلانے والی آگ کے پاس پڑا رہ جائے، ایسی آگ جس کی چمک اور روشنی جاچکی ہو محض جلانے کا وصف ہی باقی رہ جائے، اور نتیجہ یہ ہو کہ وہ رات کی تاریکی' بدلی کی تاریکی' بارش کی تاریکی اور روشنی کے بعد آنے والی تاریکی جیسی متعدد تاریکیوں میں جاپڑے' تو ایسے شخص کی کیا حالت ہوگی؟؟

چنانچہ اسی طرح یہ منافقین بھی ہیں کہ انھوں نے مومنوں سے ایمان کی روشنی مانگی جبکہ خود ان کا یہ وصف نہ تھا اور وقتی طور پر اس سے روشنی حاصل کی' فائدہ اٹھایا جس کے نتیجے میں ان کے خون معاف کردیئے گئے، ان کے اموال کی حفاظت ہوگئی، اور دنیا میں بھی ایک قسم کا امن حاصل ہوا، اور ابھی اسی حالت میں تھے کہ یکایک موت نے ان پر حملہ کیا اور ان سے اس نور سے فائدہ اٹھانا سلب کرلیا، اور وہ ہر طرح کے فکروغم اور عذاب سے دوچار ہوئے، اور انہیں قبر کی تاریکی' کفر کی تاریکی' نفاق کی تاریکی اور قسم قسم کے گناہوں کی تاریکیوں کا سامنا کرنا پڑا اور (یہی نہیں بلکہ) اس کے بعد جہنم کی تاریکی کا سامنا کرنا پڑا جو کہ انتہائی بدترین جائے سکونت ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ {صم} یعنی خیروبھلائی کی سماعت سے بہرے' {بکم} بھلائی کی بات کہنے سے گونگے اور {عمي} یعنی حق کے مشاہدہ سے اندھے ہیں، {فهم لا يرجعون} لہٰذا وہ پلٹ نہیں سکتے، کیونکہ انہوں نے حق کی معرفت کے بعد حق کو ترک کردیا اور پس پشت ڈال دیا ہے، اس لئے وہ اس کی طرف نہیں پلٹ سکتے، برعکس اس کے جس نے جہالت کی بنیاد پر حق کو ترک کردیا ہو' اسے اس کی سمجھ ہی نہ ہو، تو ایسا شخص ان کی بہ نسبت حق کی قبولیت سے قریب تر ہوتا ہے'' (تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان للسعدي، ص ۴۲)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دشمن منافقوں کو ان لوگوں سے تشبیہ دی ہے جنھوں نے آگ روشن کی ہو' جس سے وہ روشنی حاصل کرسکیں اور فائدہ اٹھا سکیں، اور جب آگ روشن ہوجائے تو وہ اس کی روشنی میں اپنے نفع ونقصان کی چیزیں دیکھ لیں' اور چونکہ وہ مسافر تھے جو راستہ کھو بیٹھے تھے اور اس غرض سے آگ روشن کی تھی کہ راستہ دیکھ سکیں اس لئے حیرانی اور راستہ کھونے کے بعد راستہ بھی دیکھ لیں، چنانچہ جب آگ سے ان کی روشنی کا سامان ہوجائے اور وہ راستہ دیکھ لیں تو یہ روشنیاں گل ہوجائیں اور وہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھٹکتے رہ جائیں اور ان کے لئے ہدایت وراہیابی کے تینوں دروازے بند ہوجائیں؛ کیونکہ ہدایت بندے کے اندر تین راہوں سے داخل ہوتی ہے، ایک جسے وہ اپنے کان سے سنتا ہے، دوسرے جسے وہ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور تیسرے جسے وہ اپنے دل سے سمجھتا ہے، اور جب ان لوگوں پر ہدایت کے سارے دروازے بند ہوچکے ہیں تو ان کے دل نہ کچھ سن سکتے ہیں' نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے حق میں نفع بخش چیزیں سمجھ سکتے ہیں'' (اجتماع الجيوش الاسلاميه، ۲/ ۶۳)۔

نیز امام ابن القیم رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب کو' اپنے رسول کو' اپنے دین کو اور اپنی ہدایت کو نور قرار دیا ہے، اور اللہ عزوجل کے ناموں میں ایک نام بھی

''النور'' ہے اور نماز بھی نور ہے، چنانچہ اللہ عزوجل کے ان کے نور کو سلب کر لینے سے یہ سارے انوار ختم ہو جائیں گے'' (مرجع سابق، ۲/۳۵، نیز دیکھئے: ۲/۴۴)۔

نیز آپ نے بیان فرمایا ہے کہ: ''رسولوں کی اطاعت سے خروج (اعراض) کرنے والے دس قسم کی تاریکیوں میں بھٹکیں گے، طبع کی تاریکی، جہالت کی تاریکی، خواہش نفس کی تاریکی، قول کی تاریکی، عمل کی تاریکی، داخل ہونے کی تاریکی، نکلنے کی تاریکی، قبر کی تاریکی، قیامت کی تاریکی، اور دار قرار (جہنم) کی تاریکی، چنانچہ تاریکی انہیں تینوں مراحل (دنیا، برزخ اور آخرت) میں لازم (گھیرے ہوئے) ہوگی، جبکہ رسولوں (علیہم الصلاۃ والسلام) کے متبعین دس قسم کی روشنیوں میں داد عیش دیں گے، اور اس امت (محمدیہ) اور اس کے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ایسا نور ہوگا جو اس کے علاوہ کسی اور امت کے لئے نہ ہوگا اور اس امت کے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ایسا نور ہوگا جو آپ کے علاوہ کسی اور نبی کے لئے نہ ہوگا'' (مرجع سابق، ۲/۴۳)۔

(۲) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: {أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَٰتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ الصَّوَٰعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌۢ بِالْكَٰفِرِينَ ○ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَٰرَهُمْ ۖ كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم مَّشَوْا۟ فِيهِ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا۟ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَٰرِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ} (البقرہ:۱۹-۲۰)۔

یا آسمانی بارش کی طرح جس میں تاریکیاں اور گرج اور بجلی ہو، یہ موت سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے، جب ان کے لئے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بیکار کر دے، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یہ ایک دوسری مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے لئے بیان فرمائی ہے، مفہوم یہ ہے کہ اگر آپ چاہیں تو آگ روشن کرنے والے سے ان کی تشبیہ دیں اور چاہیں تو ''اہل صیب'' یعنی بارش والوں سے ان کی تشبیہ دیں۔

''صَيِّبٍ'' کے معنیٰ آسمان سے نازل ہونے والی بارش کے ہیں، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ (آیت کریمہ کی ابتدا میں) ''أَوْ'' (یا) بمعنیٰ واؤ یعنی اور کے ہیں، مقصود یہ ہے کہ (آگ روشن کرنے والے) اور بارش (دونوں) سے ان کی تشبیہ دیں، {فِيهِ ظُلُمَٰتٌ} (جس میں تاریکیاں ہوں) یعنی شب کی تاریکی، بدلی کی تاریکی اور بارش کی تاریکی، {وَرَعْدٌ} (گرج) بادل سے سنائی دینے والی آواز کو کہتے ہیں، {وَبَرْقٌ} (اور بجلی، چمک) ''برق'' بادل کے ساتھ نظر آنے والی تیز چمک اور روشنی کو کہتے ہیں، {كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم} یعنی جب جب ان تاریکیوں میں بجلی چمکتی ہے {مَّشَوْا۟ فِيهِ} تو وہ اس کے سہارے چلتے ہیں، {وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا۟} اور جب ان پر تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں، یعنی حیران و پریشان ہو کر ٹھہر جاتے ہیں (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، للطبری ۱/۳۳۳ تا ۳۶۲، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۱/۲۳۳ تا ۲۴۲، وتفسیر البغوی، ۱/۵۳، ۵۴، وتفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۱/۵۳، وتیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان، للسعدی، ص۲۷)۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کفر و نفاق میں ان کی مثال کچھ

ایسے لوگوں سے دی ہے جو تاریک شب میں کسی چٹیل میدان میں ہوں، ساتھ ہی بارش سے بھی دوچار ہوں جس میں تاریکیاں ہوں، جس کا وصف یہ ہے کہ ایسی صورت میں چلنے والے کے لئے چلنا ممکن نہیں، اور اس میں "صواعق" (سخت قسم کی آواز، بادل کی کڑک) ہوں جس کا وصف یہ ہے کہ اس کی ہولناکی اور خوفناک آواز سننے والے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں، اور "برق" (بجلی) ہو جس کا وصف یہ ہے کہ اندیشہ ہے کہ ان کی نگاہوں کو اچک لے اور تیز چمک سے انہیں بے نور کر دے، یہ ایک مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور اس کے ساتھ کافروں اور منافقوں کے سلوک و برتاؤ کے سلسلہ میں بیان فرمائی ہے، چنانچہ "بارش" قرآن کریم ہے، کیونکہ جس طرح بارش جسموں کی زندگی ہے اسی طرح قرآن کریم دلوں کی زندگی (روح) ہے، اور تاریکیوں سے مراد کفر و شرک (کی غلاظتیں) ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے، اور "رعد" بادل کی کڑک سے مراد وعیدیں اور جہنم کا ذکر وغیرہ ہیں جن سے بندوں کو ڈرایا گیا ہے، اور "برق" بجلی سے مراد قرآن کریم میں بیان کردہ ہدایت و بیان، نیک وعدے اور جنت کا ذکر وغیرہ ہیں، چنانچہ منافقین قرآن کریم کی تلاوت کے وقت (اس کی طرف) دل کے میلان کے خوف سے اپنے کانوں کو بند کر لیا کرتے تھے، کیونکہ ایمان ان کے نزدیک کفر ہے اور کفر موت ہے، {**يكاد البرق يخطف أبصارهم**} یعنی اندیشہ ہے کہ بجلی ان کے دلوں کو روشن کر دے (تفسیر البغوی، ۱/ ۵۴)۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ آیت کریمہ کی تفسیر ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "چنانچہ یہی منافقین کی حالت ہے کہ جب وہ قرآن، اس کے اوامر و نواہی، اس کے وعدے، اس کے منع کردہ امور، اور اس کی وعید سنتے ہیں تو اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور اس کے امر و نہی اور وعد و وعید سے اعراض کرتے ہیں، چنانچہ اسکی وعیدیں اسے خوف میں مبتلا کر دیتی ہیں اور اس کے وعدے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں، لہٰذا وہ اس سے حسب الامکان حد درجہ اعراض کرتے ہیں، اور اسی طرح اسے ناپسند کرتے ہیں جس طرح بارش والا شخص بادل کی گرج سن کر موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتا ہے، بارش والے کو تو بسا اوقات سلامتی حاصل ہو بھی جاتی ہے لیکن منافقین کے لئے سلامتی کہاں؟ اللہ عزوجل اپنے علم و قدرت کے ذریعہ انہیں گھیرے میں لئے ہوئے ہے، وہ اس سے بچ سکتے ہیں اور نہ ہی اسے عاجز کر سکتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف ان کے اعمال محفوظ کر رہا ہے اور انہیں اس کا پورا پورا بدلہ دے گا، وہ بہرے پن، گونگے پن اور معنوی اندھے پن سے دوچار ہیں اور ان کے لئے ایمان کی راہیں مسدود ہیں، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {**ولو شاء الله لذهب بسمعهم وأبصارهم**} یعنی اگر اللہ چاہے تو ان کی حسی سماعت و بصارت چھین لے، اس سے انہیں دنیوی عقاب (سزا) سے ڈرانا اور تنبیہ کرنا مقصود ہے تاکہ وہ ڈریں اور اپنے بعض شر و نفاق سے اجتناب کریں {**إن الله على كل شيء قدير**} بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، لہٰذا کوئی بھی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی، اور اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ جب وہ کوئی چیز چاہتا ہے تو بلا کسی روک ٹوک اور معارض کے کر گزرتا ہے" (تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص ۴۷)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے منافقوں کے لئے بیان کردہ آتش کی مثال ذکر کرنے کے بعد بڑی عمدہ گفتگو فرمائی ہے، چنانچہ رقمطراز ہیں: "پھر (اللہ) نے پانی کی مثال کے ذریعہ ان کا حال بیان فرمایا، چنانچہ "اصحاب صیب" یعنی بارش والوں سے ان کی

تشبیہ دی (صیب کے معنیٰ آسمان سے نازل ہونے والی بارش کے ہیں) جس میں تاریکیاں، کڑک اور بجلی ہو، چنانچہ ان کی عقل و بصیرت کی کمزوری کے سبب قرآن کریم کی زجر آمیز آیتیں، اس کے وعد وعید، اس کی دھمکیاں، اس کے اوامر ونواہی اور تیز قسم کی چیخوں کے مثل اس کا خطاب سخت ہو گیا، اس لئے ان کی حالت اس شخص کی سی ہے جو اس بارش سے دوچار ہو جس میں تاریکی، کڑک اور بجلی ہو، تو وہ اپنی کمزوری اور خوف کے سبب سخت قسم کی چیخ کے ڈر سے اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لے" (امثال القرآن، ص ۱۸، نیز دیکھئے: اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلہ والجہمیہ، لابن القیم، ۲/ ۶۸، اس میں بڑی مفید باتیں مذکور ہے)۔

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَـھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ} (البقرۃ: ۲۵۷)۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی (دوست) ہے انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور کافروں کے دوست طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لاتے ہیں، یہ جہنمی لوگ ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ عزوجل مومنوں کا معاون و مدد گار ہے، اپنی نصرت وتوفیق کے ذریعہ ان کی دیکھ ریکھ کرتا ہے اور انہیں کفر، شرک اور ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان، توحید اور ہدایت کی روشنی کی طرف لاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے تاریکیوں کو کفر کی مثال قرار دیا ہے، کیونکہ تاریکیاں آنکھوں کو چیزوں کے ادراک واثبات سے مانع ہوتی ہیں، اسی طرح کفر بھی دلوں کی بصارت کو ایمان کے حقائق کے ادراک اور اس کی صحت کے اسباب کی معرفت سے مانع ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ مومنوں کا ولی، انہیں ایمان کی حقیقت، اس کی راہوں، اس کی دلیلوں کا دکھانے والا، ہدایت دینے اور پھر ان سے کفر کے اسباب اور دل کی بصیرت پر پڑنے والے دبیز پردوں کی تاریکیاں ختم کر کے ان کے شکوک وشبہات زائل کرنے والے دلائل وبراہین کی توفیق دینے والا ہے، اور جن لوگوں نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کر کے اس کا کفر کیا ان کے دیکھ ریکھ کرنے والے معاون ومددگار "طاغوت" یعنی وہ شرکاء اور بت ہیں جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہیں، وہ انہیں ایمان کے نور سے نکال کر کفر اور اس کے شکوک وشبہات کی تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، جو دلوں کی بصارت اور ایمان کی روشنی، اس کی دلیلوں کے حقائق اور اس کی راہوں کے مشاہدہ کے درمیان حائل ہوتے ہیں (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۱/ ۳۱۸ و ۵/ ۴۲۴، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۳/ ۲۸۲)۔

(۴) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: {يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا} (النساء: ۱۷۴، ۱۷۵)

اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے کھلی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہارے لئے روشن نور اتارا ہے، تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے اپنا لیا، وہ عنقریب انہیں اپنی جانب سے فضل ورحمت میں داخل کرے گا، اور اپنی طرف صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائے گا۔

اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے کہ تمام لوگوں کے پاس اللہ کی طرف سے عذر کو ختم کرنے والی دلیل وبرہان اور شبہات کو زائل

کرنے والی حجت آچکی ہے، اور وہ محمد ﷺ ہیں جنھیں اللہ عزوجل نے حجت کے طور پر مبعوث فرما کر لوگوں کے لئے کوئی عذر و بہانہ باقی نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ایک واضح تابناک روشنی "قرآن کریم" بھی نازل فرمایا جو دوٹوک حجت اور ان راہوں کی نشاندہی کرتا ہے جو ان پر چلنے اور ان کی ضیاپاش کرنوں سے روشنی حاصل کرنے والوں کو اللہ کے عذاب اور اس کے دردناک عذاب سے نجات دہندہ امور کی رہنمائی کرتی ہیں (دیکھئے: جامع البیان، ۹/۴۲۷، وتفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۱/۵۶۰)

اللہ عزوجل نے اپنے رسولوں پر نازل کردہ (دیگر) کتابوں میں بھی نور بنایا ہے' ارشاد ہے: {اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ} (المائدہ:۴۴)۔

بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔

نیز ارشاد ہے: {قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ} (الانعام:۹۱)۔

آپ پوچھئے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جس کتاب کو لوگوں کے لئے ہدایت اور نور کی حیثیت سے لیکر آئے اسے کس نے اتارا۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں فرمایا: {وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ} (المائدہ:۴۶)۔

اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔

(تاہم) اللہ عزوجل نے قرآن کریم کو اتار کر ان تمام روشنیوں کو ختم کردیا، چنانچہ وہ سب سے عظیم نور ہے، ارشاد باری ہے: {وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ} (المائدہ:۴۸)۔

اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ذریعہ کتاب اتاری جو اپنے سے اگلی کتاب کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ ہے، لہٰذا ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ فرمان کے ذریعہ فیصلہ کیجئے۔

(۵) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: {قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ} (المائدہ:۱۵)۔

یقینا تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کھلی کتاب آئی ہے۔

نور سے مراد محمد ﷺ ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے حق روشن فرمایا' دین اسلام کو غلبہ وسربلندی عطا فرمائی اور شرک کی بیخ کنی کی، چنانچہ جو ان سے روشنی حاصل کرے وہ اس کے لئے نور ہیں اور حق کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، ارشاد باری ہے:

{يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا} (الاحزاب:۴۵،۴۶)۔

اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ' خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

آپ کے حق روشن کرنے میں آپ کا یہودیوں کے لئے ان بہت ساری چیزوں کو واضح کرنا بھی شامل ہے جنہیں وہ کتاب میں چھپاتے تھے۔

اور فرمان باری: {وکتاب مبین} "اور روشن کتاب" سے مراد وہ کتاب ہے جس میں ان چیزوں کا بیان ہے جس کے بارے میں ان میں باہم اختلاف تھا، جیسے اللہ کی توحید' اس کے حلال وحرام اور اس کے دین کے احکام، اور وہ (روشن کتاب)...

(بقیہ صفحہ ۴۸ پر)

[۹]

عقیدہ ومنہج

اللہ تعالیٰ عرش پر ہے ہر جگہ نہیں

محمد مقیم فیضی

جہمیہ : جہم بن صفوان کے ماننے والے ہوتے ہیں جس نے تعطیل کا عقیدہ جعد بن درہم سے اس وقت حاصل کیا تھا جب کوفہ میں اس سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ (مختصر تاریخ دمشق ۵۰/۶، البدایۃ ۳۵۰/۹)۔

اسی جہم نے تعطیل پر مبنی اعتقاد کی نشر واشاعت کی، وہ اپنی چرب زبانی اور بحث ومباحثہ اور قوت جدال میں آگے ہونے کے وجہ سے نفی صفات میں مبالغہ اور اس کے کثرت اظہار اور اس کی دعوت دینے میں اپنے شیخ پر بھی سبقت لے گیا اور اس سے بھی زیادہ اس باب میں نمایاں ہوا۔

ان کے مشہور معتقدات:

۱- یہ لوگ تمام اسماء وصفات کے منکر ہیں۔

۲- ایمان کے باب میں مرجئہ ہیں۔ اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان محض معرفت قلبی کا نام ہے، اور یہ عقیدہ مرجئہ کے بدترین اقوال میں سے ہے۔

۳- تقدیر کے باب میں یہ لوگ جبریہ ہیں، اپنے کاموں میں بندے کی قدرت اور اس کے اختیار کے منکر ہیں۔

۴- اس بات کے منکر ہیں کہ قیامت کے دن مخلوق اللہ کو دیکھے گی۔

۵- اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔

۶- اس بات کے قائل ہیں کہ جنت وجہنم دونوں فنا ہوجائیں گے۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے باطل معتقدات ہیں جن کے یہ جہمیہ قائل ہیں۔

۲- معتزلہ :

معتزلہ : واصل بن عطا اور عمرو بن عبید کے پیروکار ہیں، ان کے مختلف فرقے ہیں مگر وہ اپنے یہاں معروف پانچ اصولوں (اصول خمسہ) پر متفق ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱- توحید ۲- عدل ۳- وعد ووعید ۴- المنزلۃ بن المنزلتین (دو درجوں ایمان اور کفر کے درمیان کا درجہ) ۵- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

اعتزال اپنی حقیقت کے اعتبار سے ان مختلف باطل آراء کا آمیزہ ہے جو اس زمانے میں موجود تھیں، معتزلہ نے اپنے یہاں جہمیہ، قدریہ، خوارج اور روافض سب کے افکار جمع کرر کھے ہیں۔

کچھ اصولوں میں وہ جہمیہ کے شریک ہیں، لہٰذا انکار صفات میں انہیں کی ڈگر پر رواں ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ کے ساتھ نہ کسی صفت کا قیام ہوتا ہے نہ فعل کا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رویت کے بھی منکر ہیں، اسی طرح اس بات کے بھی قائل ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔

بندوں کے افعال میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنے

میں یہ لوگ قدریہ کے ہمنوا ہیں، اور انہیں سے ان لوگوں نے یہ قول بھی لیا ہے کہ بندے اپنے افعال کے خالق اور پیدا کرنے والے خود ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ مسئلۂ ایمان میں خوارج کے ساتھ ہیں، اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان قول، اعتقاد اور عمل کا مجموعہ ہے مگر وہ نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے، اس لئے اگر اس کا کچھ حصہ گیا تو سب کا سب زائل ہو جاتا ہے۔

اسی بنیاد پر یہ لوگ مرتکب کبیرہ (کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے) کے مسئلے میں بھی ان کے ہمنوا ہیں، لہٰذا یہ معتزلہ اگرچہ دنیا میں مرتکب کبیرہ کے دو درجوں کے درمیان کے درجے میں ہونے کے قائل ہیں (یعنی دنیا میں وہ نہ مومن ہوتا ہے نہ کافر بلکہ بین بین ہوتا ہے) مگر خوارج کی طرح وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آخرت میں کبیرہ گناہ کا مرتکب شخص مخلد فی النار ہوگا (یعنی ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا)۔

اسی طرح یہ لوگ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے سلسلے میں بھی خوارج سے متفق ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر اعتراضات اور انہیں اپنی تنقیدوں کا نشانا بنانے میں یہ لوگ خوارج کی راہ پر گامزن ہیں، چنانچہ اہل صفین کے متعلق واصل بن عطا اس بات کا قائل تھا کہ: ''متعین طور پر تو نہیں مگر دونوں گروہ کافر ہیں'' اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے متعلق کہتا ہے: ''اگر یہ دونوں میرے پاس سبزی کے ایک گٹھر کے متعلق بھی گواہی دینے آئیں تو میں اس کے سلسلے میں بھی ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کروں گا''، اور معتزلہ کے متاخرین تو تشیع ہی کے زیادہ قریب تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''قدیم شیعہ اس معاملے میں (یعنی صفات اور قدر کے مسائل میں) معتزلہ کے مخالف تھے، مگر چوتھی صدی کے اوائل وغیرہ سے بنی بویہ اور انہیں جیسوں کے زمانے سے ان کے متاخرین میں ایسے لوگ ہونے لگے ہیں جو معتزلہ کے (عقیدۂ) توحید اور عدل وغیرہ میں ان کی موافقت کرتے ہیں، ان کے شیوخ معتزلہ ہیں، نعمان مفید اور ان کے دونوں اصحاب ابوجعفر طوسی، اور مرتضی سے ملقب، اور انہیں جیسوں لوگوں کے کلام میں جو باتیں پائی جاتی ہیں وہ سب معتزلہ کے کلام سے ماخوذ ہیں، اور اسی وقت معتزلہ میں ایسے لوگ ہوئے جو ایک قسم کے تشیع کی طرف مائل تھے، وہ لوگ یا تو حضرت علی کو دونوں خلفاء (حضرت ابوبکر وحضرت عمر) کے برابر مانتے تھے، یا ان دونوں پر بھی انہیں فضیلت دیتے تھے، یا پھر حضرت عثمان کو نشانا بناتے تھے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ معتزلہ نے حضرات ابوبکر وعمر کی امامت کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اور جہاں تک قدیم معتزلہ جیسے عمرو بن عبید اور اس کے اصحاب کی بات ہے تو وہ لوگ حضرت علی سے منحرف تھے، یہاں تک کہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر وہ اور ان سے جنگ کرنے والوں میں سے اگر کوئی شخص کوئی گواہی دے تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے کیونکہ معین طور پر تو نہیں مگر ان میں سے ایک ضرور فسق کا مرتکب ہے۔ لہٰذا آج متاخر شیعہ اور معتزلہ جس مسلک پر قائم ہیں وہ دونوں گروہوں کے ائمہ اور قدماء کے خلاف ہے۔ (نقض تأسيس الجهمية :۱/ ۵۴-۵۵)

اسی طرح مسئلہ امامت کے متعلق رافضی شیعوں کے خصوصی افکار ونظریات میں سے بہت سی باتیں انھوں نے اپنالی ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں واضح ہوا کہ معتزلہ کے افکار ان کے

زمانے میں پائے جانے والے مخالف فرقوں کی رایوں کا آمیزہ ہیں۔

آج کے زمانے میں: امامیہ روافض، زیدیہ اور اباضیہ یہ سب فرقے معتزلہ کے افکار کو اپنائے ہوئے ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی معتزلی افکار کے حامل ہیں جن کو عقلانی کہا جاتا ہے۔

۳۔ متکلمین صفاتیہ (کلابیۃ۔اشاعرہ۔ماتریدیہ)

۱۔ کلابیۃ

یہ لوگ ابو محمد عبداللہ بن سعید بن کلاب القطان (متوفی ۲۴۳ھ) کے ماننے والے ہیں۔ (مجموع الفتاوی ۵/۵۵۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابو محمد بن کلاب سے پہلے لوگ دو ہی طرح کے تھے: ایک تو اہل سنت والجماعت کے لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم صفات اور ان افعال کا اثبات کرتے تھے جن پر اللہ تعالیٰ قادر بھی ہے اور اپنی مشیئت کے مطابق انہیں انجام دیتا ہے۔

اور گروہ معتزلہ کے جہمیہ وغیرہ اِس کا اور اُس کا دونوں کا انکار کرتے تھے۔

پھر ابن کلاب نے اس کے ساتھ قائم ہونے والی لازمی صفات کا تو اثبات کیا مگر ان افعال وغیرہ کی نفی کی جن کا تعلق اس کی مشیئت اور قدرت سے ہے۔ اور اس طریقے پر ابوالعباس قلانسی اور ابوالحسن اشعری وغیرہ نے ان کی موافقت کی۔

اور حارث محاسبی بھی ابن کلاب کے ہی مسلک کی طرف منسوب تھے، اسی لئے امام احمد نے انہیں ترک کردینے کا حکم دیا، اور امام احمد صاحب ابن کلاب اور ان کے پیروکاروں سے دور رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے، پھر حارث کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے اس مسلک سے رجوع کرلیا تھا۔ (درء تعارض العقل والنقل:۲/۱)

یہی منہج جسے ابن کلاب نے ایجاد کیا تھا بعد میں متکلمین صفاتیہ کے منہج سے معروف ہوا، کیونکہ ابن کلاب صاحب اگرچہ اپنے طریقے میں مسلک اہل حدیث وسنت کی طرف مائل تھے مگر ان کی روش میں ایک طرح کی بدعت بھی پائی جاتی تھی کیونکہ انھوں نے ذات الٰہی کے ساتھ قیام صفات کا تو اثبات کیا مگر اس کی ذات کے ساتھ امور اختیاریہ کے قیام کا اثبات نہیں کیا۔

ردجہمیت میں ان کی کچھ کاوشیں ضرور تھیں (مجموع الفتاوی ۱۲/۳۶۶) مگر انھوں نے ان لوگوں سے مناظرے میں قیاسی طریقہ اپنایا تھا جس میں انھوں نے خود انہیں لوگوں کے وضع کردہ کچھ اصولوں کو تسلیم کرلیا تھا، مثلا اللہ تعالیٰ کے حروف کے ذریعہ کلام کا ممتنع ہونا، اس کی ذات کے ساتھ ان صفات اختیاریہ کے قیام کا ممتنع ہونا جن کا تعلق افعال اور کلام جیسے امور میں اس کی مشیئت اور قدرت سے ہے۔ (مجموع الفتاوی ۱۲/۳۷۶) پھر وہ بعد میں اس قسم کے لوگوں کے قدوہ اور امام بن گئے جو ان کے بعد آئے اور انھوں نے صفات کا اثبات کیا اور ان کی نفی کرنے والوں کی مخالفت کی، مگر ان کے بعض فاسد اصولوں میں ان کی ہمنوائی بھی کی جو معقول کی جہت سے بھی اور سنت رسول کی مخالفت کی جہت سے بھی خود انہیں کے بعض اقوال کے لئے موجب فساد بن گئی۔ (مجموع الفتاوی ۱۲/۳۶۶)

حقیقت یہ ہے کہ ابن کلاب نے ایک نیا مسلک ایجاد کیا تھا جس میں کچھ باتیں سلف کے موافق تھیں اور کچھ معتزلہ اور جہمیہ کے موافق تھیں۔ اس طرح انھوں نے ایک تیسرے مکتب فکر کی بنیاد ڈال دی تھی اور اسی مکتب فکر کا نام ''صفاتیہ'' ہے جو مذہب اثبات سے معروف ہے، مگر ان کے اعتقادات میں جہمی اصولوں

کی بھی کچھ چیزیں پائی جاتی ہیں۔(مجموع الفتاوی ۱۲/ ۲۰۶)

قلانسی، اشعری اور محاسبی وغیرہ بھی اسی روش پر گامزن رہے، اور یہی لوگ اشعری اور قدیم اشاعرہ کے سلف تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''ابو محمد بن کلاب ہی اشعری کے وہ استاد تھے جن کے طریقے کی پیروی انھوں نے خود اور ان کے ماننے والوں کے ائمہ نے کی، مثلاً حارث محاسبی، ابو عباس قلانسی، ابوسلیمان دمشقی اور ابو حاتم بستی وغیرہ'' (منہاج السنۃ: ۲/ ۳۲۷)

معلوم ہوا کہ ابن کلاب ہی اشعریت کے امام اول تھے، ان کے یہاں اشعری کے مقابلے میں سلف سے قربت اور جہمیت کی مخالفت زیادہ تھی۔(مجموع الفتاوی ۱۲/ ۲۰۲-۲۰۳)

مگر یہ کلابی مسلک رفتہ رفتہ منہج سلف سے دور ہوتا گیا اور زیادہ سے زیادہ معتزلہ کے منہج سے قریب ہوتا چلا گیا، یہ کام اشاعرہ کے ہاتھوں ہوا جو ان کے وارث تھے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ابن کلاب ابوالحسن اشعری کے مقابلے میں سلف سے زیادہ قریب تھے، اور ابوالحسن اشعری قاضی ابوبکر باقلانی کے مقابلے میں سلف سے زیادہ قریب تھے۔ اور قاضی ابوبکر اور ان جیسے لوگ ابوالمعالی جوینی اور ان کے پیروکاروں سے زیادہ سلف کے قریب تھے۔(مجموع الفتاوی: ۱۲/ ۲۰۳)

اسی لئے رازی وغزالی اور ان جیسے فلسفیوں کے کلام میں وہ باتیں پائی جاتی ہیں جو ابوالمعالی جوینی اور ان کے اصحاب کے کلام میں نہیں پائی جاتی ہیں، اور رازی، غزالی اور جوینی کے کلام میں نفات معتزلہ (صفات کی نفی کرنے والے معتزلہ) کے مسلک کی جو باتیں پائی جاتی ہیں وہ ابوالحسن اشعری اور ان کے قدیم اصحاب کے یہاں نہیں پائی جاتی ہیں، اور ابوالحسن اشعری کے کلام میں جو نفی پائی جاتی ہے جو انھوں نے معتزلہ سے لی تھی وہ ابو محمد بن کلاب کے کلام میں نہیں پائی جن کا طریقہ ابوالحسن نے اختیار کیا تھا۔

اور ابن کلاب کے کلام میں جو نفی پائی جاتی ہے جس میں وہ معتزلہ کے قریب قریب جا پہنچے ہیں وہ اہل حدیث وسنت اور سلف وائمہ کے کلام میں نہیں پائی جاتی ہے۔ غلط جب ایک بالشت ہوتا ہے تو وہ پیروکاروں میں ہاتھ بھر ہو جاتا ہے پھر دو ہاتھ اور آخر میں اس حد تک پہنچتا ہے جو آج نظر آ رہا ہے جبکہ خوش بخت وہی ہے جو سنت کا پابند ہو جائے۔ (بغیۃ المرتاد ص ۴۵۱)

آج ایک فرقے کے طور پر تو کلابیہ کا وجود ختم ہو چکا ہے مگر اس کے افکار اشاعرہ کے ذریعہ گردش کرتے رہے، اشعری اور ان کے قدیم اصحاب نے کلابیہ کے افکار کو سینے سے لگایا اور اس کی نشر واشاعت کی، اس طرح تاریخی اعتبار سے زیادہ قدامت کا حامل اور ظہور میں اشعریت پر سبقت لے جانے والا کلابی مکتب فکر اشعریت میں گھل گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں؛ ''کلابیہ ہی اشعریت کے مشائخ ہیں کیونکہ ابوالحسن اشعری نے ابو محمد بن کلاب کے طریقے کی پیروی کی تھی، اور ابن کلاب زمانہ اور طریقہ دونوں اعتبار سے سلف سے زیادہ قریب تھے۔ اور ابن فورک (ت ۴۰۶ھ) نے ابن کلاب اور اشعری کے کلام کو جمع کیا ہے اور اصول میں ان دونوں کے اتفاق کو واضح کیا ہے۔

(ان شاء اللہ جاری ہے)

[۱]

بحث وتحقیق

تین طلاق سے متعلق خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا موقف

کفایت اللہ سنابلی

ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی ہوتی ہے جیسا کہ کتاب وسنت کے متعدد دلائل سے یہ بات ثابت ہے، بہت سے صحابہ وتابعین اور ائمہ واہل علم کا یہی موقف ہے۔ لیکن بعض حضرات یہ دعوی کرتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے تین ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے بالخصوص صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہوتی ہے ذیل میں ہم سردست صرف خلفائے راشدین کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں ایک مجلس کی تین طلاق سے متعلق ان کا موقف کیا تھا باقی دیگر صحابہ اور دیگر اہل علم کے بارے میں آئندہ تفصیل سے لکھا جائے گا ان شاء اللہ۔

خلیفہ راشد ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا موقف

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی 261) نے کہا:

حدثنا إسحاق بن إبراهيم، ومحمد بن رافع، واللفظ لابن رافع، قال إسحاق: أخبرنا، وقال ابن رافع: حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن ابن طاوس، عن أبيه، عن ابن عباس، قال " :كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وسنتين من خلافة عمر، طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن الخطاب: إن الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم".

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی دو برس تک ایسا امر تھا کہ جب کوئی ایک بارگی تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے جلدی کرنا شروع کی اس میں جس میں ان کو مہلت ملی تھی سو ہم اس کو اگر جاری کر دیں تو مناسب ہے، پھر انہوں نے جاری کر دیا (یعنی حکم دے دیا کہ جو ایک بارگی تین طلاق دے تو تینوں واقع ہوگئیں)۔(صحیح مسلم 3/ 1099 رقم 1472)

صحیح مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اسی بات پر اجماع رہا ہے۔

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف بھی یہی تھا کہ ایک وقت دی گی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی۔

اس کے برخلاف کسی ضعیف سند بھی سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی دوسرا فتوی ثابت نہیں ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ (المتوفی 751) فرماتے ہیں:

و كل صحابي من لدن خلافة الصديق إلى ثلاث سنين من خلافة عمر كان على أن الثلاث واحدة۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے لیکر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی دوسال تک ہر صحابی کا یہی موقف تھا کہ تین طلاق ایک شمار ہوگی (إعلام الموقعين عن رب العالمين38 /3)

خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا موقف

اوپر صحیح مسلم کی حدیث پیش کی جاچکی ہے کہ عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں اس بات پر اجماع تھا کہ ایک وقت کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی اس اجماعی موقف سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اختلاف کرنا ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح مسلم کی اسی حدیث میں وضاحت ہے کہ خود عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دوسال تک سب کا اسی بات پر اتفاق رہا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا موقف بھی یہی تھا کہ ایک وقت کی تین طلاقیں شرعا ایک ہی شمار ہوں گی۔

رہی یہ بات کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں دوسال کے بعد تین طلاق کو تین شمار کرنے کا فرمان جاری کردیا تو اسی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ حکم ان کا شرعی فتوی نہیں تھا بلکہ انہوں بطور تعزیر وسزا یہ قانون جاری کیا تھا۔اس لئے اس کی حیثیت شرعی فتوی کی نہیں بلکہ سیاسی فرمان کی ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس سیاسی فرمان سے بھی رجوع کرلیا تھا)(إغاثة اللهفان /1 336لابن القيم)۔

لیکن یہ روایت منقطع ہے۔

فائدہ: علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ نے اپنی ممتاز کتاب تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق میں ص ۲۳۶ سے ص ۲۴۹ تک اس کی سند پر بڑی لمبی گفتگو کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس روایت کے سارے رواۃ ثقہ ہیں اور حنفی اصول کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔

خلیفہ راشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا موقف

ماقبل میں صحیح مسلم کے حوالے سے گذرچکا ہے کہ عہد رسالت میں بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں اور عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دوسال تک بھی اس بات پر امت کا اجماع رہا،اس اجماعی موقف سے عثمان رضی اللہ عنہ کا اختلاف کرنا کسی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

بعض لوگ دوضعیف ومردود سندوں سے روایت پیش کرتے ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاق کو عثمان رضی اللہ عنہ نے تین طلاق شمار کیا ہے ذیل میں ان دونوں روایات کی حقیقت ملاحظہ ہو:

پہلی روایت:

امام ابن أبي شيبة رحمہ اللہ (المتوفی 235) نے کہا:

حدثنا وكيع، والفضل بن دكين، عن جعفر بن برقان، عن معاوية بن أبي تحيا قال: جاء رجل إلى عثمان فقال: إني طلقت امرأتي مائة قال: ثلاث تحرمها عليك، وسبعة وتسعون عدوان۔

معاویہ بن ابی تحیا کہتے ہیں کہ ایک شخص عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دے دی ہے۔ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین طلاق نے تیری بیوی کو تجھ پر حرام کردیا ہے اور ستانوے طلاق سرکشی ہے۔(مصنف

ابن أبي شيبة، ت الحوت: 62 /4 اسناده منقطع وضعيف واخرجه ابن حزم في المحلى ت بيروت: 399 /9من طريق وكيع نحوه و ذكره ابن القيم في زاد المعاد، ن مؤسسة الرسالة: 236 /5)

یہ روایت ضعیف ہے۔

ظفر تھانوی حنفی صاحب ابن القیم کی کتاب زادالمعاد سے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتی ہیں:

وماعثرت على ترجمة معاوية بن أبي يحيى۔

معاویہ بن ابی یحیی کے ترجمہ پر میں واقف نہیں ہوسکا(اعلاء السنن، ت تقی عثمانی: 156 /11)

عرض ہے کہ زادالمعاد میں معاویۃ بن أبي یحیی ہے لیکن صحیح معاویۃ بن أبي تحیا ہے جیسا کہ کمال یوسف الحوت اور شیخ سعد بن ناصر الشثر ی کے محقق نسخے میں ہے۔ کتب رجال میں بھی ایسا ہی ہے دیکھئے :(التاريخ الكبير للبخاری، ط العثمانية: /7 332، الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي:/8 379)

ثقات ابن حبان میں معاویۃ بن أبي یحیی ہے لیکن حاشیہ میں محقق نے وضاحت کردی ہے کہ دیگر کتب رجال میں معاویۃ بن أبي تحیا ہے۔ دیکھئے:(الثقات:468 /7)

ابن حبان نے اس راوی کو ثقات میں ذکر کیا ہے اوران کے علاوہ کسی بھی محدث نے اسے ثقہ نہیں کہا ہے لہٰذا اس کے نامعلوم التوثیق ہونے کے سبب یہ روایت ضعیف ہے۔

نیز اس کے ساتھ ساتھ سند منقطع بھی ہے کیونکہ معاویۃ بن أبي تحیا کا سماع کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے اس لئے یہ تابعی نہیں بلکہ تبع تابعی ہے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے أتباع التابعین میں گنایا ہے اس لئے صحابہ سے اس کی روایت مرسل ومنقطع ہے اسی لئے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کرنے کے ساتھ یہ بھی کہا:

يروى المراسيل۔

یہ مرسل روایات بیان کرتا ہے(الثقات لابن حبان ط االعثمانية: 468 /7)

اور زیرنظر روایت کو یہ عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کررہا ہے جب کہ یہ کسی بھی صحابی سے نہیں سنا اس لئے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی یہ روایت مرسل ومنقطع ہے۔

بلکہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے تو عثمان رضی اللہ کے نام کی صراحت کرتے ہوئے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت مرسل یعنی منقطع ہے چنانچہ امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی 277) نے کہا:

معاوية بن أبي تحيا روى عن عثمان، رضي الله عنه، مرسل۔

معاویۃ بن أبي تحیا نے عثمان سے روایت نقل کی ہے جو مرسل (یعنی منقطع) ہے(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي:379 /8)

محمد عوامہ حنفی صاحب نے بھی مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت پر حاشیہ میں امام ابوحاتم کا یہ قول نقل کررکھا ہے اور اس روایت کا کوئی دفاع نہیں کیا ہے دیکھئے:(مصنف بن أبي شيبة ت عوامة: 522 /9رقم 18104)

شیخ سعد بن ناصر الشثر ی اپنے نسخہ میں اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

مجهول لجهالة معاوية بن أبي تحيا۔

یہ مجہول راوی سے ہے معاویہ بن ابی تحیا کی جہالت کی وجہ سے(مصنف ابن أبي شيبة. إشبيليا: 106 /10حاشیہ10)

معلوم ہوا کہ یہ روایت ضعیف ومنقطع بھی ہے لہٰذا ضعیف و مردود ہے۔

بعض لوگ اس کی ایک اور سند پیش کرتے ہیں لیکن وہ بھی منقطع ہونے کے ساتھ ساتھ موضوع اور من گھڑت بھی ہے چنانچہ:

دوسری روایت:

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ(المتوفی 211) نے کہا:

عن إبراهيم بن محمد، عن شريک بن أبي نمر قال: جاء رجل إلى علي، فقال: إني طلقت امرأتي عدد العرفج قال: تأخذ من العرفج ثلاثا، وتدع سائره .قال إبراهيم: وأخبرني أبو الحويرث، عن عثمان بن عفان مثل لک۔

شریک بن ابی نمر کہتے ہیں کہ ایک شخص علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو عرفج (ایک پودے کا نام) کی تعداد کے برابر طلاق دی ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: عرفج سے تین کی عدد لے لو اور باقی چھوڑ دو۔ ابراہم بن محمد نے کہا کہ مجھ سے ابوالحویرث نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ۔(مصنف عبد الرزاق، ت الأعظمي: 394 /6)

اس روایت میں علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے بعد ابراہیم نے ابوالحویرث کے طریق سے اسی اثر کو عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔لیکن یہ سند موضوع اور من گھڑت ہے۔ اسے بیان کرنے والا امام عبدالرزاق کا استاذ ۔ابراہیم بن محمد یہ ۔ابراہیم بن محمد بن أبي يحيى الأسلمی ہے اور یہ کذاب ہے۔

☆امام یحیی بن سعید رحمہ اللہ(المتوفی 198) نے کہا:

كنا نتهمه بالكذب۔

ہم اسے کذب سے متہم کرتے تھے (ضعفاء العقيلي: 63 /1واسناده صحيح)۔

☆امام ابن معین رحمہ اللہ(المتوفی 233) نے کہا:

إبراهيم بن أبي يحيى ليس بثقة كذاب

ابراہم بن ابی یحی ثقہ نہیں ہے یہ بہت بڑا جھوٹا ہے(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم 126 /2)۔

☆امام علی بن المدینی رحمہ اللہ(المتوفی 234) نے کہا:

ابراهيم بن أبي يحيى كَذّاب۔

ابراہم بن ابی یحیی بہت بڑا جھوٹا ہے(سؤالات ابن أبي شيبة لابن المديني: ص: 124)۔

☆امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ(المتوفی 277) نے کہا:

إبراهيم بن أبي يحيى كذاب متروک الحديث۔

ابراہیم بن ابی یحیی بہت بڑا جھوٹا اور متروک الحدیث ہے(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم 126 /2)۔

یہ صرف وہ ثابت اقوال ہیں جن میں اہل فن نے راوی مذکور کو کذاب کہا ہے، اس کے علاوہ جو شدید جرحیں اس پر ہوئی ہیں اس کے لئے تہذیب اور عام کتب رجال کی طرف مراجعت کی جائے۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

اس کے علاوہ عثمان رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بیان کرنے والے ابوالحویرث ہیں اور ابوالحویرث کا کسی بھی صحابی سے روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں چھٹے طبقہ کا راوی بتلایا ہے (تقریب التہذیب لابن حجر: رقم 4011)

اور اس طبقہ کے کسی بھی راوی کا کسی صحابی سے روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔(تقریب التہذیب لابن حجر، ت عوامۃ: ص:74)

لہٰذا یہ روایت موضوع ومن گھڑت ہونے کے ساتھ ساتھ سنداً منقطع بھی ہے۔

خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ کا موقف

علی رضی اللہ عنہ کی طرف صراحتاً یہ فتوی منسوب ہے کی آپ ایک وقت میں دی گئی تین طلاق کو ایک طلاق مانتے تھے۔(مجموع الفتاوی 8/ 33، فتح الباری لابن حجر 363/ 9)

لیکن اس کی سند دستیاب نہیں ہے۔

تاہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کے ابتدائی دو سال تک امت کا جو اجماعی موقف تھا کہ ایک وقت میں دی گئی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی اس سے علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف کرنا ثابت نہیں ہے۔

بعض حضرات کچھ ضعیف ومردود روایات پیش کر کے یہ دعوی کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ ایک وقت کی تین طلاق کو تین شمار کرتے تھے ذیل میں ان روایات کی پوزیشن ملاحظہ ہو:

پہلی روایت:

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی 458) نے کہا:

أخبرنا أبو عمرو الرزجاهي حدثنا أبو بكر الإسماعيلي قال قرأت على أبي محمد إسماعيل بن محمد الكوفي حدثنا أبو نعيم الفضل بن دكين حدثنا حسن عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن علي رضي الله عنه فيمن طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها قال :لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره۔

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو دخول سے قبل تین طلاق دے دیا تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرلے (السنن الكبرى للبيهقي، ط الہند: 334/ 7)

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔سند میں موجود أبو محمد إسماعیل بن محمد الکوفی یہ أبو محمد إسماعیل بن محمد المزنی الکوفی ہے۔

امام ذہبی نے اسے أبو بکر الاسماعیلی کا استاذ اور ابونعیم کا شاگرد بتلایا ہے(تاريخ الإسلام ت بشار 920/ 6)

یہ بہت بڑا جھوٹا اور کذاب شخص تھا۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی 385) نے:

كذاب۔

یہ بہت بڑا جھوٹا ہے (كتاب الضعفاء والمتروكين للدارقطني ت الأزهري: ص: 85)

نیز أبو نعیم الفضل بن دکین کا استاذ حسن بھی نامعلوم کون ہے۔

دوسری روایت:

امام ابن أبي شيبة رحمہ اللہ (المتوفی 235) نے کہا:

حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن حبيب، قال :جاء رجل إلى علي، فقال :إني طلقت امرأتي ألفا !قال :بانت منك بثلاث، واقسم سائرهن بين نسائك۔

حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں کہ ایک شخص علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی ہے !اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین طلاق سے تیری

عورت جدا ہوگئی اور باقی طلاقوں کوتو اپنی دیگر بیویوں میں تقسیم کردے (مصنف ابن أبي شيبة. سلفية: 13 /5 واسناده ضعيف و منقطع واخرجه ايضا الدارقطنی 38 /5من طريق فضيل بن عياض عن الأعمش به)

یہ روایت ضعیف ہے اس میں تین علتیں:

اول: أعمش عن سے روایت کررہے ہیں اور یہ تیسرے طبقے کے مدلس ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب یزید بن معاویہ پرالزامات کاتحقیقی جائزہ :ص 339 تا395۔

دوم: حبیب بن أبي ثابت الکوفی بھی تیسرے طبقہ کے مدلس ہیں دیکھئے: (طبقات المدلسین لابن حجرت القریوتی: ص:37)

اور یہاں انہوں نے اپنا ماخذ بتایا ہی نہیں ہے۔

سوم: حبیب بن أبي ثابت کا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے چنانچہ:

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی 234) نے کہا:

حبيب بن أبي ثابت ، لقي ابن عباس ، وسمع من عائشة ، ولم يسمع من غيرهما من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حبیب بن أبي ثابت نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے اور ان دو صحابہ کے علاوہ کسی اور صحابی سے انہوں نے نہیں سنا ہے (العلل لابن المديني، ت الأزہری: ص: 113وانظر: جامع التحصيل للعلائی: ص: 158،تحفة التحصيل فی ذكر رواة المراسيل ص: 60)

تیسری روایت:

امام ابن أبي شیبۃ رحمہ اللہ (المتوفی 235) نے کہا:

حدثنا ابن فضيل، عن الأعمش، عن حبيب، عن رجل من أهل مكة، قال :جاء رجل إلى علي فقال :إني طلقت امرأتي ألفا ؟ قال :الثلاث تحرمها عليك ، واقسم سائرهن بين أهلك۔

حبیب بن ابی ثابت مکہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی ہے !اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین طلاقیں تیری بیوی کو تجھ پر حرام کرتی ہیں اور باقی طلاقوں کو تو اپنی دیگر بیویوں میں تقسیم کردے (مصنف ابن أبي شيبة. سلفية: 14 /5واسناده ضعيف واخرجه ايضا البيهقی فی السنن الكبرى 547 /7من طريق أبي نعيم عن الأعمش به)

یہ وہی ماقبل والی روایت ہے اس میں حبیب نے اپنے سے اوپر کا واسطہ ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں بتایا، یہ روایت بھی تین وجوہات کے سبب ضعیف ہیں۔

پہلی اور دوسری وجہ تو وہی ہے جس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت نے جس شخص کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے اس کا نام نہیں بتایا لہٰذا اس شخص کا مجہول ہونا بھی اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ ہے۔

چوتھی روایت:

امام ابن أبي شیبۃ رحمہ اللہ (المتوفی 235) نے کہا:

حدثنا حاتم بن إسماعيل ، عن جعفر ، عن أبيه ، عن علي قال :إذا طلق البكر واحدة فقد بتها، وإذا طلقها ثلاثا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره۔

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب کوئی شخص باکرہ (غیر مدخولہ) کو ایک طلاق دے تو وہ طلاق بائن ہوگی اور جب تین طلاق دے دے تو اس کے لئے تب تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ کسی اور سے بھی شادی نہ کر لے (مصنف ابن أبي شيبة. سلفية: 22 /5 اسناده منقطع واخرجه البيهقي في السنن الكبرى ط الهند: 335 /7 من طريق أبي نعيم عن حاتم بن إسماعيل نحوه)

یہ روایت منقطع ہونے کے سبب ضعیف ہیں کیونکہ جعفر کے والد محمد بن علی بن الحسین بن علی بن أبي طالب أبو جعفر الباقر کا سماع علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے سولہ (16) سال بعد پیدا ہوئے ہیں علی رضی اللہ عنہ کی وفات رمضان سن 40 ہجری میں ہوئی ہے چنانچہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی 852) نے کہا:

مات في رمضان سنة أربعين۔

علی رضی اللہ عنہ کی وفات رمضان سن 40 ہجری میں ہوئی ہے (تقريب التهذيب لابن حجر: رقم 4753)

اور محمد بن علی بن الحسین کی پیدائش سن 56 ہجری میں ہوئی چنانچہ:

امام صفدی رحمہ اللہ (المتوفی 764) نے کہا:

مولده سنة ست وخمسين۔

ان کی تاریخ پیدائش سن 56 ہجری ہے (الوافي بالوفيات للصفدي: 77 /4)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی تاریخ پیدائش ثابت کی ہے (تهذيب التهذيب لابن حجر، ط الهند: 351 /9)

معلوم ہوا کہ محمد بن علی بن الحسین کا علی رضی اللہ عنہ سے سننا محال وناممکن ہے اسی لئے محدثین نے پوری صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ محمد بن علی بن الحسین کی علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل یعنی منقطع ہے چنانچہ:

امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی 264) نے کہا:

محمد بن علي بن الحسين، عن علي، مرسل۔

محمد بن علی بن الحسین کی علی رضی اللہ عنہ سے رویت مرسل (منقطع) ہے (المراسيل لابن أبي حاتم ت قوجاني: ص: 185 واسناده صحيح)

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی 458) نے کہا:

حديث جعفر عن أبيه عن علي مرسل

جعفر کے والد محمد بن علی بن الحسین کی علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل (منقطع) ہے (السنن الكبرى للبيهقي، ط الهند: 122 /6)

امام ذہبی (المتوفی 748) اور امام علائی (المتوفی: 761) وغیرہما نے بھی یہی بات کہی ہے دیکھیں: (سير أعلام النبلاء للذهبي: 401 /4، جامع التحصيل للعلائي: ص: 266، تهذيب التهذيب لابن حجر، ط الهند: 352 /9)

معلوم ہوا کہ یہ روایت صریح اور واضح طور پر منقطع ہے، شیخ سعد بن ناصر الشثری اپنے نسخہ میں اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

منقطع ابو جعفر لا يروي عن علي۔

یہ روایت منقطع ہے ابوجعفر (محمد بن علی بن الحسین) علی سے (ڈائریکٹ) روایت نہیں کرتے (مصنف ابن أبي شيبة. إشبيليا: 120 /10 حاشہ 4)

(جاری ہے..)

❖ ❖ ❖

[۲]

گوشۂ خواتین

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

(مختصر حالاتِ زندگی اور فضائل ومناقب)

ابوابراہیم کمال الدین سنابلی بدایونی

حضرت خدیجہ کی زندگی میں آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا:

کسی آدمی کا دوسرا تیسرا یا چوتھا نکاح کرنا اگرچہ پہلی بیوی یا بیویوں میں نقص ثابت نہیں کرتا لیکن بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرنا حضرت خدیجہ کی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے، ازواج مطہرات میں یہ خصوصیت صرف حضرت خدیجہ کو حاصل رہی کہ آپ کے سرتاج جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی زندگی تک دوسرا نکاح نہیں فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”لَمْ يَتَزَوَّجْ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى خَدِيجَةَ حَتَّى مَاتَتْ "(مسلم:2439)

یعنی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اوپر دوسری شادی نہیں کی یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہا وفات پاگئیں(مسلم حدیث نمبر:2439)

دنیا جھٹلا رہی تھی اور خدیجہ تصدیق کررہی تھیں:

حضرت خدیجہ وہ خاتون ہیں کہ جب پوری دنیا محمد رسول اللہ کو جھٹلا رہی تھی تب تنہا حضرت خدیجہ آپ کی تصدیق کررہی تھیں اور مال کے ذریعے آپ کی مدد کررہی تھیں، آیئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضرت خدیجہ کی ان خدمات کے بارے میں سنتے ہیں جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، اللہ رحمت فرمائے حضرت عائشہ پر کہ سوکنوں والی فطری غیرت کے باوجود انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فضائل والی کوئی بات چھپائی نہیں، بیشک ازواج مطہرات سب سے زیادہ دیانت دار اور حق کو بیان کرنے والی تھیں، عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونک اٹھے اور فرمایا: اللہ! یہ تو ہالہ ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے اس پر بڑی غیرت آئی، میں نے کہا:

”مَا تَذْكُرُ مِنْ عَجُوزٍ مِنْ عَجَائِزِ قُرَيْشٍ حَمْرَاءِ الشِّدْقَيْنِ هَلَكَتْ فِي الدَّهْرِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللَّهُ خَيْرًا مِنْهَا“(بخاری:3821)

آپ بھی قریش کی کس بوڑھی کا ذکر کرتے رہتے ہیں جس کے مسوڑوں پر بھی (دانتوں کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے) صرف

سرخی باقی رہ گئی تھی اور جسے مرے ہوئے بھی ایک زمانہ گزر چکا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا کر دی ہے۔(بخاری:3821)

مسند احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جواب دیا:

"مَا أَبْدَلَنِي اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ خَيْرًا مِنْهَا قَدْ آمَنَتْ بِي إِذْ كَفَرَ بِي النَّاسُ وَصَدَّقَتْنِي إِذْ كَذَّبَنِي النَّاسُ وَوَاسَتْنِي بِمَالِهَا إِذْ حَرَمَنِي النَّاسُ وَرَزَقَنِي اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَدَهَا إِذْ حَرَمَنِي أَوْلَادَ النِّسَاءِ"(مسند احمد :24341)

یعنی اللہ تعالی نے مجھے اس کے بدلے میں اس سے بہتر کوئی بیوی نہیں دی، وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگ میرا انکار کررہے تھے، میری اس وقت تصدیق کی جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے، اپنے مال سے میری ہمدردی اس وقت کی جب کہ لوگوں نے مجھے اس سے محروم رکھا، اور اللہ تعالی نے مجھے ان سے اولاد بھی عطا فرمائی جب کہ دوسری بیویوں سے میں اولاد ہونے سے محروم رہا(مسند احمد:24341)

افضل ترین عورتوں میں خدیجہ کا نام شامل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری دنیا کی خواتین میں سب سے افضل جن چار عورتوں کو بتایا ان میں ایک نام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہے(دیکھیے : ترمذی حدیث نمبر: 3878)

جبکہ دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جنتی خواتین میں بھی سب سے افضل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:"أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَآسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ" (مسند احمد، راوی ابن عباس، حدیث نمبر:2896، السلسلة الصحیحة:1508)

اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل عورتیں یہ ہیں:

1-خدیجہ بنت خویلد، 2-فاطمہ بنت محمد، 3-مریم بنت عمران، 4-آسیہ بنت مزاحم، جو فرعون کی بیوی تھیں(مسند احمد: 2896، السلسلة الصحیحة:1508)

اماں عائشہ کو سیدہ خدیجہ پہ رشک:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ هَلَكَتْ قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي لِمَا كُنْتُ أَسْمَعُهُ يَذْكُرُهَا"۔

" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی کے بارے میں، میں نے اتنی غیرت محسوس نہیں کی جتنی غیرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں محسوس کرتی تھی حالانکہ(میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا) وہ میرے نکاح سے پہلے ہی وفات پا چکی تھیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے میں ان کا ذکر سنتی رہتی تھی(بخاری، حدیث نمبر:3816)

رسول کی حضرت خدیجہ سے محبت:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی

غیرت کے جواب میں فرمایا: "إِنِّي قَدْ رُزِقْتُ حُبَّهَا" (مسلم :2437)

"بے شک مجھے ان کی (یعنی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی) محبت عطاء کی گئی ہے (مسلم حدیث نمبر:2437)

جنت میں موتیوں کا محل:

ایک مرتبہ حضرت جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کو اللہ کی طرف سے یہ پیغام سنایا: "بَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ" (بخاری:3820)

"انہیں (یعنی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو) جنت میں موتیوں کے ایک محل کی بشارت دے دیجئے جہاں نہ شور و ہنگامہ ہوگا اور نہ تھکن ہوگی (بخاری حدیث نمبر:3820)

رب نے سلام بھیجا ہے:

ایک مرتبہ حضرت جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّي" یعنی" خدیجہ کو ان کے رب کا سلام عرض کر دیجیے اور میری طرف سے بھی سلام کہنا" (بخاری، حدیث نمبر 3820)

سبحان اللہ! حضرت خدیجہ کے مقام و مرتبہ کے کیا کہنے جنہیں رب کائنات سلام بھیجے۔

وفات:

جب قریش مکہ نے مسلمانوں کے محاصرے اور معاشرتی بائیکاٹ کا اعلان کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوری ثابت قدمی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، محاصرے کے بعد (ہجرت سے تقریباً تین سال قبل) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفق چچا بھی فوت ہوگئے اور کچھ ہی عرصے میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہوگئی (سیرت ابن ہشام 1/266)

حضرت خدیجہ نے کل کتنی عمر پائی؟ اس بارے میں تذکرہ نگاروں کے درمیان اختلاف ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے 50 سال عمر ذکر کی ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً 25 سال کا عرصہ گزارا۔

وفات کے بعد بھی رسول اللہ کی خدیجہ سے وفاداری:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وفات کے بعد بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور وفا شعاری کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتی ہیں: "وَإِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ فَيُهْدِي فِي خَلَائِلِهَا مِنْهَا مَا يَسَعُهُنَّ" (بخاری :3816)" آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کبھی بکری ذبح کرتے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو اس میں سے اتنا ہدیہ بھیجتے جو ان کے لیے کافی ہو جاتا (بخاری، حدیث نمبر:3816)

اللہ تعالی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر لاکھوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے اپنے مال و دولت سے اسلام کی خدمت کی اور پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا (آمین)۔

❖ ❖ ❖

خصوصی مضمون

ذمہ داران مساجد کی خدمت میں چند گذارشات

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

اسلام میں مساجد کی حیثیت دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کی طرح محض عبادت کی ادائیگی کے لیے مختص کی گئی ایک عمارت کی نہیں بلکہ مساجد اسلامی معاشرہ کی دینی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی، رفاہی قیادت کا مرکز ہیں۔ دنیا کی ظلمتوں میں اسلام ہدایت کا نور ہے اور مساجد وہ چراغ ہیں جہاں سے یہ نور اپنی کرنوں سے معاشرہ کے گوشہ گوشہ کو منوّر کرتا ہے۔ مساجد کی حیثیت اسلامی معاشرہ میں دل کی ہے جہاں سے علم وہدایت کا خون معاشرہ کی رگوں میں پہنچتا ہے۔ مسجد ایک معاشرہ میں اسلام کے زندہ ہونے کی علامت ہے۔ اسلام کا اعلیٰ ترین شعار ہے۔ ایک جہت سے یہ مسجدیں مصلّیٰ ہیں۔ بندے کا اللہ سے رابطہ دو حوالوں سے ہے۔ ایک بندے کی طرف سے عبادت کا دوسرا اللہ کی طرف سے ہدایت کا ہے۔ مسجد رابطہ کے ان دونوں حوالوں کا مرکز ہے۔ مسجد کی ایک جہت مصلّیٰ کی ہے۔ نماز جو اللہ کے سامنے بندگی کے اظہار کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے نماز اس عبادت کی اجتماعی ادائیگی کا مقام ہے۔ مساجد کی دوسری جہت منبر کی ہے۔ منبر اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہدایت کی اشاعت کا مرکز ہے۔ منبر تعمیر کردار اور افراد سازی کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ مسجد دعوت و اصلاح اور سماجی رابطہ (social connectivity) کا ایسا زبردست نظام ہے جس کو اگر اُس کی صحیح بنیادوں پر استوار کرلیا جائے تو امّت کو کسی اور نظام کے ایجاد یا امپورٹ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

مساجد کی اِس اہمیت ہی کے پیش نظر مساجد کی تعمیر پر خصوصی فضیلتوں اور انعامات کے وعدے کیے گئے ہیں۔ اگر اسلامی ریاستیں موجود ہیں تو مساجد کی تعمیر اور انتظام کی ہر ذمہ داری ریاست کی ہوگی۔ اسلامی ریاست کی غیر موجودگی میں یہ ذمہ داری علاقہ کے مسلم افراد کی ہے کہ وہ مسجد کی تعمیر کا انتظام کریں اور اس کو مطلوبہ بنیادوں پر قائم رکھنے کی کوشش کریں۔

الحمدللہ دین سے دوری کے اس دور میں بھی مساجد کے معاملہ میں اہل اسلام کی حساسیت قائم ہے۔ ملک بھر میں پھیلی لاتعداد مساجد اس بات کی گواہ ہیں۔ دنیا پرستی کے اس دور میں بھی مسلمان اپنی گاڑھی کمائی سے مساجد کی تعمیر کرتے ہیں اور ان کے رکھ رکھاؤ کا سارا خرچ بھی برداشت کرتے ہیں۔ وہ مخلصین یقینا مبارکبادی کے مستحق ہیں جو مساجد کی تعمیر اور اس کے انتظام میں اپنا قیمتی مال اور وقت صرف کرتے ہیں۔ اُن کو اُن کی محنتوں کا حقیقی صلہ یقینا اللہ دینے والا ہے۔ ذیل میں مساجد کے انتظام، ائمہ کے حقوق اور دعوتی امور کی ترتیب کے حوالے سے موجودہ حالات کے پیش نظر مساجد کے ذمہ داران کی خدمت میں کچھ مشورے اور گذارشات عرض کیے جارہے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مسجد صرف عمارت نہیں ایک نظام کا نام ہے۔ مسلم معاشرہ کی اصلاح کا بہت کچھ انحصار نظام مساجد کی اصلاح پر ہے۔ یہ مشورے اس نظام کی تعمیر اور اصلاح کے کی نیت سے دیے گئے ہیں۔ اللہ ہم سب کو اصلاح کی توفیق نصیب فرمائے۔

1. اخلاص سے کام کریں۔ مسجد کی تعمیر اور اس کی خدمت

بڑا ثواب کا کام ہے۔ اس عمل کا اجر اگر آخرت میں اللہ سے چاہتے ہیں تو دنیا میں اس عہدہ کو نام کمانے، رعب جمانے، حکم چلانے اور دھاک بٹھانے کا ذریعہ نہ بنائیں۔

2. سب کو ساتھ لے کر چلیں۔ خاص کر علاقہ کے اہل علم، دین دار، اہل ثروت اور بااثر لوگوں کو مشورہ میں شامل رکھیں۔ مسجد مسلمانوں کے اتّحاد کا مرکز ہے اس کو گروپ بندی کی سیاست کا اکھاڑا نہ بنائیں۔

3. عہدہ کو نعمت کے بجائے ذمہ داری سمجھیں۔ مسجد کا مقام دین میں بہت بلند ہے اس لیے اس کی تولیت کی ذمہ داری بھی بہت بڑی ہے۔ اللہ کے یہاں جواب دہی کا احساس ہمیشہ زندہ رکھیں۔ لوگوں میں شبیہ حاکمانہ نہیں خادمانہ بنائیں۔

4. علاقہ کے نوجوانوں کو نظر انداز نہ کریں۔ مشورہ اور ذمہ داریوں میں کسی نہ کسی طرح سے ان کو بھی شامل رکھیں۔ نوجوانوں کو اگر نظر انداز کیے جانے کا احساس ہوگا تو وہ مسجد سے الگ گروپ بنالیں گے۔ اس سے مسائل پیدا ہوں گے۔

5. غیر منہجی بالخصوص تحریکیوں سے ہوشیار رہیں۔ یہ پہلے تعاون کے بہانے مسجد اور اس کے ذمہ داروں کے قریب آتے ہیں پھر آہستہ آہستہ اپنے لوگوں کو مسجد میں داخل کر کے مسجد اور خاص کر منبر پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں۔

6. مسجد کے دعوتی امور کی ترتیب کے لیے مستند اور تجربہ کار علماء سے مسلسل رابطہ میں رہیں۔ علاقہ یا علاقہ سے قریب رہائش رکھنے والے کسی ایک مستند عالم کو مسجد کے دعوتی امور کا نگراں بنالیں۔

7. منبر اللہ اور بندوں کے بیچ سب سے گہرا ربط ہوتا ہے۔ منبر کا تقدس ہمیشہ ذہن میں رکھیے۔ غیر مستند، غیر منہجی اور غیر متشرع لوگوں کو منبر پر جگہ دے کر ہدایت اور اصلاح کے اس منبع کو آلودہ نہ کریں۔

8. مسجد کے منبر پر غیر علماء کو کھڑا نہ کریں۔ مسجد کے منبر پر کھڑے ہونے کا حق یا تو جماعت کے مستند ادارہ سے فارغ عالم دین کا ہے یا پھر ایسے شخص کا جو کسی مدرسہ سے فارغ نہ بھی ہو تو جماعت کے علماء اور جمعیت کے ذمہ داران اس کی توثیق کرتے ہوں۔ اگر منبر پر کھڑا ہونے کے لیے علم، استناد اور ثقاہت کے بجائے زور بیان اور شور خطابت کو معیار بنالیا جائے گا تو اپنے بدعتی منہج پر زوردار خطابت کا پردہ ڈالے ہوئے غیر منہجی مفسدین کے لیے جماعت میں گھسنے اور فساد پھیلانے کا دروازہ کھل جائے گا۔

9. امام مسجد کے ادارے کا سربراہ اور مسجد کے اجزائے ترکیبی کا سب سے اہم جز ہے۔ کسی بھی مسجد کے مصلیان اور سامعین کے دینی مزاج اور علمی معیار پر سب سے گہرا اثر امام کا ہوتا ہے۔ امامت کا منصب بہت اعلیٰ ہے۔ اس کو ہلکا نہ سمجھیں۔ آخری حد تک مسجد کو اچھے سے اچھا امام فراہم کرنے کی کوشش کریں۔

10. منتظمین اور مصلّیان کی بداخلاقی، قلیل تنخواہ اور ضروری سہولیات کے فقدان کی وجہ سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتوں سے لیس مدارس کے فارغین مسجد کی امامت سے منسلک نہیں ہونا چاہتے۔ اچھا امام چاہتے ہیں تو حسین اخلاق، اچھی تنخواہ اور مناسب سہولیات کا انتظام کریں۔ یہ صحابہ کا دور نہیں۔ لوگوں میں تقویٰ اور للّٰہیت اب ایسی نہیں رہی کہ آپ علماء سے اُمیّد رکھیں کہ وہ پیٹ پر پتھر باندھ کر کام کریں گے۔ مناسب تنخواہ، سہولتیں اور اچھا رویہّ پیش نہیں کیا جائے گا تو مساجد میں اچھے ائمہ کا قحط جو شروع ہو چکا ہے بڑھتا چلا جائے گا۔ دعوت واصلاح کا کام بڑی ذمہ داری ہے۔ مالی طور پر تنگ دست اور ذہنی طور پر پریشان شخص اتنی بڑی ذمہ داری نہیں نبھا سکتا۔

11. اس مہنگائی کے دور میں کم از کم اتنی تنخواہ دیں جس سے

اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہائش پذیر ایک عالم دین اور اس کے بال بچوں کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔ ممبئی جیسے شہر میں رہائش کے ساتھ کم از کم بیس ہزار مناسب تنخواہ ہے۔ علاقہ کے اعتبار سے یہ فیگر کم زیادہ ہوسکتا ہے۔ مساجد میں امامت کرنے والے اکثر علماء اپنا گھر بار چھوڑ کر آتے ہیں۔ اپنی فیملی کے علاوہ گاؤں میں رہ رہے ماں، باپ، بھائی بہن کی ذمہ داریاں بھی ان کے کندھوں پر ہوتی ہیں۔ امامت کا کام بھی ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے مشقت طلب ہے۔ ڈیوٹی کی حیثیت سے بھی دیکھیں تو یہ ایک فل ٹائم جاب ہے۔ جس میں کسی کوتاہی کی بھی گنجائش نہیں۔ ان ساری باتوں کو سامنے رکھیں گے تو بیس ہزار کا اماؤنٹ کم ہی لگے گا۔

اتنی تنخواہ فراہم کرنے کے لیے مالی تنگدستی بہانہ ہوسکتی ہے حقیقت نہیں۔ اُمّت کے پاس مال کی کمی نہیں، ذہن بنانے کی ضرورت ہے۔ مشاہدہ یہی ہے کہ مختلف علاقوں میں جو لوگ امام کو بیس پچیس ہزار تنخواہ دینے کے لیے تنگدستی کا بہانہ کرتے ہیں وہ سال میں ایک اجلاس کے پیچھے دو تین لاکھ روپے بہا دیتے ہیں۔

12. امام کے لیے فیملی کے ساتھ رہائش کا بندوبست لازمی کریں۔ مسجد کی تعمیر کے وقت ہی یہ بات ذہن میں رکھیں کہ امام کے لیے علیحدہ کمرے کا انتظام بھی مسجد کی عمارت میں ہوجائے۔ اپنے بال بچّوں کے ساتھ زندگی گذارنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ائمہ جو ہمارے دینی رہنما ہیں ہم ان کو زندگی کا یہ بنیادی حق بھی فراہم نہیں کرتے۔ مہاجر بھی کم سے کم اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کرتا ہے۔ ائمہ کا معاملہ تو ان سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ تیس سال امامت کرنے والے امام کو سال میں ایک مہینے کے حساب سے اپنے گھر والوں کے ساتھ گذارنے کے لیے کل ملا کر تین سال بھی پورے میسر نہیں ہوتے۔

دینی رہنمائی اور اصلاح کا کام کرنے کے لیے جس ذہنی سکون اور سماجی شعور کی ضرورت ہے وہ قیدی کی طرح زندگی بسر کر رہے کسی امام کو میسر نہیں ہوگا۔ اہل خانہ سے اتنی لمبی مدّت تک دور رہنا شرعی نقطہ نظر سے بھی ٹھیک نہیں۔ اولاد کی تربیت کے حوالے سے بھی یہ غلط ہے اور جسمانی صحّت کے اعتبار سے بھی نقصاندہ۔ بے راہ روی کے دروازے بھی اس سے کھلتے ہیں۔ سال سال بھر اپنی بیوی سے دور رہنے والا امام کس منہ سے نوجوانوں کو جلدی شادی کرنے کا حکم دے گا تاکہ ان کی نظریں جھک جائیں اور ان کی شرم گاہ محفوظ ہوجائے۔

13. امامت پیشہ نہیں منصب ہے۔ امام مسجد کے ذمہ داران اور مصلیان کا نوکر یا غلام نہیں پورے علاقہ کا دینی رہنما ہوتا ہے۔ اس منصب کے تقدس کا خیال رکھیں۔ امام کی عزّت نفس کو مجروح کر کے اس منصب کے تقدس کو تار تار نہ کریں۔ اس کو مشورہ دینے، ذمہ داریاں بتانے اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرنے میں عزّت سے پیش آئیں۔ سلیقہ سے گفتگو کریں۔ بھری مجلس میں حکم دینے اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرنے کے بجائے اکیلے میں مل کر محبّت سے بات کریں۔

14. امام کی ذمہ داری صرف نماز پڑھانے کی نہیں ہوتی۔ وہ مرحلہ وار خطبے، دروس اور میل جول کے ذریعہ عوام کی تربیت کرتا ہے۔ ہمارے یہاں آہستہ آہستہ امامت کے لیے حافظ سے کام چلانے اور خطبہ کے لیے باہر سے خطباء کو بلانے کی جو روایت بنتی جا رہی ہے اس کے بہت سنگین نقصانات ہیں جو گہری نظر رکھنے والوں کو وقت کے ساتھ دکھائی دے رہے ہیں۔

ہم نے خطبات جمعہ کو اصلاح اور دعوت کا وسیلہ سمجھنے کے بجائے تفریح کا ذریعہ بنالیا ہے اور تفریح بغیر تنوّع کے تو حاصل کی نہیں جاسکتی۔ اس لیے بڑے شہروں میں تیزی کے ساتھ یہ

مزاج بنتا جارہا ہے کہ امام صرف نماز پڑھانے کے لیے ہوتا ہے اور خطبے کی ذمہ داری ائمہ کے بجائے بدل بدل کر الگ الگ خطباء انجام دے رہے ہیں۔ تربیت کے نقطہ نظر سے یہ طریقہ نقصاندہ ہے۔ اصلاح اور تربیت ایک مدّت طلب اور مرحلہ وار عمل ہے۔ آپ کے بیچ رہنے والا، آپ کا مزاج سمجھنے والا، آپ کی خوبیوں اور خامیوں سے واقف امام جتنی موثر اصلاح آپ کی کرسکتا ہے، دو چار مہینے میں ایک بار آ کر تقریر کر کے جانے والا خطیب نہیں کرسکتا۔ لہذا مسجد میں خطبہ دینے کا حق امام کو دیجیے۔ وقفہ دینا ضروری ہو تو مہینے میں ایک خطبہ کے لیے خطیب باہر سے بلا لیجیے۔ بہت ناگزیر ہو تو مہینے میں دو خطبے باہر کے خطباء کے لیے اور بقیہ خطبے امام کے لیے رکھیے۔

15. بات بات پر امام بدلنا بطور منتظم آپ کے ناکام ہونے کی دلیل ہے۔ دنیا میں کوئی انسان کامل نہیں۔ ائمہ سے بھی سوفی صد پرفیکشن کی اُمید نہ رکھیں۔ کچھ نہ کچھ خامیاں ہر کسی میں ہوتی ہیں۔ ائمہ میں بھی رہیں گی۔ امام کی صورت میں ہر مسجد کے ذمہ داران کو قرات میں شیخ سدیس، علم میں ابن تیمیہ، خطابت میں احسان الٰہی ظہیر اور تحقیق شیخ الالبانی کی تلاش ہوتی ہے۔ ایسی آرزئیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ لہذا چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں پر امام بدلنے کا مزاج نہ بنائیں۔ علاقہ اور مسجد کی ضرورت کے حساب سے مناسب علم اور صلاحیت والا امام رکھیں۔ اس کو مسجد کی ضرورتوں کے مطابق بننے اور ڈھلنے کا موقع دیں۔ نئی صلاحیتوں کو نئے کام اور نئے ماحول میں ایڈجسٹ ہونے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ وقت اور تجربہ آدمی کو بڑا بناتا ہے۔

16. مسجد کے ٹرسٹی ہونے کا مطلب مفتی ہونا نہیں ہوتا ہے۔ مسجد کی انتظامی ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر رکھیں، دینی اور علمی رہنمائی کا کام امام پر چھوڑ دیں۔ دینی مسائل میں اس کی بات مانیں۔ مسجد کا مفتی امام ہی ہوتا ہے، دینی رہنمائی کا مرکز امام ہی کو رہنے دیں، یہ ذمہ داری نہ خود اپنے سر پر لیں نہ کسی دوسرے کو لینے دیں۔ ایک مسجد میں ایک سے زیادہ رہنمائی کے مرکز ہونے سے ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ کسی مسئلہ میں اگر آپ کو یا کسی مصلی کو امام کے فتویٰ سے اطمینان نہ ہو تو بجائے امام سے الجھنے اور لڑائی کرنے کے جماعت کے بڑے علماء سے رابطہ کر کے تصفیہ کریں۔

17. مسجد کی صفائی بہت ثواب کا کام ہے۔ یہ ثواب خود کمائیں یا پھر اس کے لیے مسجد میں علٰیحدہ خادم رکھیں۔ ہمارے دور کے عرف کے حساب سے امام کو مسجد کی صفائی ستھرائی کا کام دینا اس کے مرتبہ اور مقام کے خلاف ہے۔

18. علم اور صلاحیت کسی جامعہ، ادارے یا علاقہ کی جاگیر نہیں۔ مسجد کی امامت کے لیے مکّی مدنی نسبتوں سے دھوکہ نہ کھائیں۔ ہندستان کی سرزمین بہت زرخیز ہے۔ یہاں کے باصلاحیت علماء خلیج سے فارغ کسی مکّی مدنی سے کم نہیں ہوتے۔ امامت کے لیے صلاحیت کے بجائے نسبتوں کو معیار بنانا جہالت ہے۔ اس جہالت سے دور رہیں۔

19. ہر مسجد کے سامعین چاہتے ہیں کہ مسجد کے دروس اور خطبے مواد سے بھرپور اور تحقیقی ہوں لیکن امام کے پاس خطبہ کی تیاری کے لیے صرف گنتی کی کچھ کتابیں ہوتی ہیں۔ ہر مہینے کتابوں کی خریداری کے لیے بجٹ امام صاحب کو فراہم کریں۔ اس زمانہ میں علم کے حصول اور تحقیق کا بہت بڑا ذریعہ کمپیوٹر کی ڈیجٹل لائبریریز اور انٹرنیٹ ہیں۔ لائبریریوں کے فقدان کی وجہ سے شہروں میں تو علم وتحقیق کے جو یا عالم کے لیے کمپوٹر واجب کے درجہ میں ہے۔ آپ امام سے علمی مواد سے پُر، تحقیقی بیانات سننا چاہتے ہیں تو ٹھیک ٹھاک کنفیگریشن والا ایک عدد کمپوٹر پرنٹر

سے سمیت انٹرنیٹ کی سہولت کے ساتھ فراہم کریں۔

20. ہر شکوہ امام تک پہنچانے ، ہر ایرے غیرے کی شکایت پر امام کو تنبیہ کرنے اور بات بات پر اس کو ٹوکنے کا مزاج نہ بنائیں۔ علاقہ کے ہر آدمی ، مسجد کے ہر مصلّی بلکہ ہر ذمہ دار کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ امام پر حکم چلائے اس کو کام پر لگائے ، اس کی کوتاہیوں کی اصلاح کرے۔ ذمہ داران میں سے ایک مہذب اور سلیقے سے گفتگو کرنے والے شخص کو منتخب کرلیں جو ذمہ داران کی طرف سے امام سے بات کرے ، مشورہ دے یا اگر کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اس کی نشاندہی کرے۔ ہمارے یہاں عجب مزاج بنا ہوا ہے کہ جن کے گھر میں ان کی بیوی بھی ان کی نہیں سنتی وہ بھی امام پر آکر رعب جماتے ہیں۔

21. عناوین کے انتخاب اور خطبہ کی تیاری کے لیے امام کو آزادی دیں۔ امام قوم کا نباض ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ اصلاح کس کی اور کیسی کرنی ہے۔ اس کے کام میں اس کو مشورہ دیں ، دخل اندازی نہ کریں۔ اگر وہ معاشرہ میں پھیلی کسی برائی کی اصلاح کررہا ہے تو اس کو نشانہ بنانے کے بجائے اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیں۔ کئی ائمہ کو شکایت ہے کہ ان کی مسجد میں فلاں ، فلاں اور فلاں گناہ کے خلاف تقریر کرنے پر اس لیے پابندی ہے کیونکہ کوئی ٹرسٹی یا کچھ ٹرسٹیان ان گناہوں میں ملوث ہیں۔

22. ٹرسٹیان کو خود بھی چاہیے کہ وہ مسجد سے جڑے ہیں۔ اگر نمازی ہیں تو کوشش کریں کہ ساری نمازیں یا روزانہ کم ازکم دو تین نمازیں تو اپنی مسجد ہی میں ادا کریں۔ اگر ٹرسٹی خود بے نمازی ہے تو اس کو حق نہیں مسجد کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے کندھوں پر رکھے۔ یا تو اپنی اصلاح کرے یا حق حق دار کو دے کر خود فارغ ہوجائے۔

23. ملک کی انتخابی سیاست سے مسجد کو دور رکھیں ۔ سیاست کے لیے نہ خود مسجد کا استعمال کریں نہ کسی کو استعمال کرنے کا موقع دیں۔ علاقائی نیتاؤں کو بھی ضرورت سے زیادہ مسجد کے معاملہ میں دخل اندازی کی اجازت نہ دیں۔

24. مساجد علاقہ کی خواتین کی اصلاح کا بھی بڑا ذریعہ ہیں ۔خواتین میں دعوت اور اصلاح کے لیے بھی مسجد کے امام اور علماء سے مل کر لائحہ عمل ترتیب دیں۔ ان کی ضرورت اور وقت کے حساب سے پروگرام رکھیں۔ جمعہ کے خطبہ اور نماز میں ان کی شرکت کے لیے گنجائش بنائیں۔ مخصوص مسائل میں ان کی تربیت اور رہنمائی کے لیے مستند عالمات کے دروس کا اہتمام کریں۔

25. بچّوں کی تربیت اور تعلیم میں مساجد میں قائم مکاتب کا بڑا رول ہے۔ خاص کر ایسے ماحول میں جب بیشتر اسکول نصاب سے لے کر نظام تک ہر چیز کے ذریعہ بے دینی اور الحاد کا زہر بچوں کے دماغ میں گھول رہے ہیں یہ مکاتب اس زہر کا بڑا تریاق ہیں۔ مکاتب کی یہ روایت کم ہوتے ہوتے آج ختم ہونے کے دہانے پر آپہنچی ہے۔ اس روایت کو دوبارہ زندہ کریں اور پورے نظم وضبط اور نصاب کے ساتھ اس کو جاری کریں۔

26. دیگر مسالک کے لوگوں اور ان کی مساجد کے ائمہ کے ساتھ تعلقات خوشگوار رکھیں۔ اپنی تقریبات میں ان کو بلائیں۔ مناظرانہ ماحول بنانے سے گریز کریں۔ اتحاد کی فضا قائم کریں۔ اسٹیج پروگرام میں اختلافی موضوعات پر بات کرنے سے گریز کریں۔ اس سے دعوت کے بجائے نفرت پہنچتی ہے اور دیگر لوگوں میں مسلمانوں کے انتشار کا پیغام جاتا ہے۔ خطبات میں بھی اختلافی موضوعات پر ایک حد تک ہی بات ہونی چاہیے اور جو بات ہو وہ بھی علمی لہجہ میں سنجیدگی کے ساتھ ہو۔ مناظروں سے صرف ماحول آلودہ اور تعلقات خراب ہوتے ہیں ۔ دعوت کو فائدہ کم ہی پہنچتا ہے۔

27. کم ازکم دو نمازوں کے بعد دروس کا اہتمام کریں۔ عقیدہ

ہقرآن، سیرت، آداب، اخلاق، فقہ وغیرہ کے دروس کے سلسلہ کا ائمہ کو پابند بنائیں۔ درس قرآن لازمی ایک نماز کے بعد رکھیں۔ تجربہ کار علماء سے مشورہ کر کے درس کے لیے مفید کتابیں منتخب کریں۔ درس کا وقفہ دس یا زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ کا رکھیں۔

28. مسجد میں بیت المال کا قیام کریں خواہ چھوٹے ہی پیمانے پر۔ مختلف موقعوں پر رفاہی کام کرتے رہیں۔ سماجی خدمت دین میں بھی مطلوب ہے اور اس سے مسجد کی شبیہ علاقہ کے لوگوں میں اچھی بنے گی جو دعوت کے لیے بہت موثر ہے۔

29. مالی معاملات صاف رکھیں۔ حساب کتاب میں اتنی ٹرانسپر ینسی رکھیں کہ کسی کے لیے الزام لگانے کی گنجائش نہ بچے۔ سال یا چھ مہینے میں حساب دینے کے لیے عوامی میٹنگ رکھیں۔

30. دین سے دور لوگوں کو دین سے جوڑنے کا نام دعوت ہے۔ مسجد میں جو دعوت کا کام ہوتا ہے اس کا دائرہ تو مسجد سے جڑے ہوئے لوگوں تک ہی محدود رہتا ہے۔ وہ افراد جو مسجد سے جڑے نہیں ہیں دین سے دور ہیں ان کو مسجد سے جوڑنے اور دین سے قریب لانے کی کوشش کریں۔ ممکن ہو تو علاقہ میں مسجد سے باہر کسی میدان، چوک، گھر یا کارخانہ میں بھی ہفتہ واری یا ماہانہ دروس کا اہتمام کریں۔ انفرادی دعوتی ملاقاتیں بھی بہت مفید ہوتی ہیں۔ اس کے لیے بھی گنجائش پیدا کریں۔ دینی پوسٹرز اور پمفلیٹ بھی دعوت کا بڑا موثر ذریعہ ہیں۔ اس کو بھی اپنائیں۔

31. دعوت کے مقصد سے اور علاقہ کے لوگوں کو مسجد سے جوڑ کر رکھنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا بھرپور استعمال کریں۔ علاقہ میں جماعت کے تمام لوگوں کا فون نمبر جمع کرنے کی کوشش کریں۔ واٹس اپ گروپ، براڈکاسٹ میسیجز اور بلک ایس ایم ایس کے ذریعہ دعوت بھی عام کریں اور مسجد کی سرگرمیوں سے بھی جماعت کے افراد کو بھی آگاہ کرتے رہیں۔

32. مساجد میں شعبہ حفظ کے قیام کے بہترین نتائج دیکھنے میں آرہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں قائم غیر اقامتی حفظ کے شعبوں سے اسکول میں پڑھنے والے بچے چار پانچ سال میں حفظ مکمل کر لیتے ہیں۔ عزم اور اخلاص کے ساتھ اپنی مسجد میں بھی ایسے حفظ کے شعبے قائم کریں۔

33. علاقہ کے کفّار کی نظر میں بھی مسجد کی شبیہ کو مثبت بنا کر رکھیں۔ ان کے ساتھ تعلقات اچھے رکھیں۔ اپنی تقریبات میں ان کو مدعو کریں۔ ان کے ضرورتمندوں کا تعاون کریں۔ رواداری اور حسن سلوک کی ایسی فضا بنائیں جو ان کو دین سے قریب لانے میں معاون ہو۔ ان میں دعوت کا کام کریں لیکن اس طریقہ سے کہ ماحول کسی طرح کے فتنہ وفساد سے خراب نہ ہو۔

34. مسجد کی تولیت اور مصلیان کی خدمت بہت سعادت کا کام ہے، مسجد کے انتظام اور انصرام میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ اپنے گھروں سے زیادہ مسجد کے میٹنیس اور نمازیوں کی سہولیات فراہم کرنے کی طرف توجہ دیں۔

35. ملک کے سیاسی حالات جس رخ پر ہیں اس کے پیش نظر مسجد اور مدرسہ کے رجسٹریشن میں بالکل کوتاہی نہ برتیں۔ سرکاری طور پر سارے کاغذات مکمّل کر کے رکھیں تاکہ آئندہ مسجد ہر طرح کے خطرہ سے محفوظ رہے۔

36. مسجد اللہ کا گھر ہے۔ اس کے انتظام اور رکھ رکھاؤ میں چوری کی گنجائش قطعی نہیں۔ ہڑپی ہوئی زمین پر مسجد تعمیر کرنے سے پرہیز کریں۔ تعمیر کر بھی لی ہے تو جس کا حق ہے اس کو لوٹا دیں۔ خواہ زمین کی صورت میں یا رقم کی صورت میں۔ چوری کی لائٹ اور پانی کا کنیکشن مسجد کے لیے استعمال کرنا بڑا گناہ ہے۔ مناسب طریقہ سے لائٹ اور پانی کا کنیکشن لیں اور بل وقت پر بھر دیا کریں۔

❖ ❖ ❖

مسائل شرعیہ

فقہ وفتاویٰ

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سوال: تقدیر پر ایمان لانے کا کیا مفہوم ہے اور کتاب وسنت میں اس کی کیا اہمیت ہے دلائل سے واضح کریں؟

جواب: تقدیر کو عربی زبان میں قدر کہتے ہیں اس لئے ایمان بالقدر یعنی تقدیر پر ایمان لانا کہا جاتا ہے۔ اور قدر عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے اندازہ کرنا فیصلہ کرنا۔ اسلامی شریعت میں تقدیر پر ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ: ''اَلتَّصْدِيْقُ الْجَازِمُ بِأَنَّ كُلَّ مَا يَقَعُ فِيْ هَذَا الْوَجُوْدِ يَجْرِيْ وِفْقَ عِلْمِ اللهِ وَتَقْدِيْرِهِ فِيْ الْأَزَلِ فَمَا شَاءَ كَانَ وَ مَالَمْ يَشَأْلَمْ يَكُنْ'' اس پر یقین رکھنا کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ کے علم اور ازل میں اللہ کے فیصلہ کے اعتبار سے ہے جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے وہ ہو نہیں سکتا ہے۔ اس لئے بعض اہل علم نے تقدیر یا قدر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ: "هُوَ عِلْمُ اللهِ تَعَالىٰ بِالْأَشْيَاءِ وَ كِتَابَتُهُ لَهَا قَبْلَ كَوْنِهَا عَلىٰ مَاهِيَ عَلَيْهِ وَوُجُوْدِهِ عَلىٰ مَاسَبَقَ عِلْمُهُ وَكِتَابَتُهُ بِمَشِيتِهِ وَخَلْقِهِ" کہ تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے اور ہر چیز کے وجود سے پہلے اللہ نے اپنے علم کے اعتبار سے اسے تقدیر میں لکھ دیا ہے، اور جب اللہ چاہتا ہے اس چیز کا وجود ہوجاتا ہے۔ اور اسے پیدا فرماتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اس کی مشیئت اور ارادہ کے بغیر وجود پذیر نہیں ہوسکتی چاہے خیر ہو یا شر اچھی ہو یا بری اور اللہ کا فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا اور اللہ کے علم سے کوئی چیز خارج نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ شریعت اسلامیہ نے تقدیر پر ایمان لانے کو واجب قرار دیا ہے بلکہ اسے ارکان ایمان کا ایک رکن مقرر کیا ہے۔ حدیث جبرئیل میں جب نبی اکرم ﷺ سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: ''أَنْ تَوْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسِلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ'' کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ پر، فرشتوں پر آسمانی کتابوں پر اور رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھا جائے اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھا جائے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ سب کچھ اللہ کی مشیت اور ارادہ کے تابع ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے (**وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللهُ**) ترجمہ: اور نہیں تم چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ'' ترجمہ: کہ جو کچھ تمہیں پہونچی ہے وہ چوکنے والی نہیں تھی اور جو تم سے چوک گئی وہ تمہیں پہونچنے والی نہیں تھی۔ (ابن ماجة: ٦٢، بسند صحيح)

اس لئے تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے خیر ہو یا شر ہر حال میں اللہ کے فیصلے سے راضی برضا رہنا چاہئے۔

سوال: تقدیر کے کتنے مراتب ہیں کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: تقدیر کے چار مراتب ہیں (۱) علم (۲) کتابت

تقدیر (۳) مشیت (۴) خلق (پیدائش)

(۱) علم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہرشئی کا علم ہے اور اس کا علم ہرشئی کو محیط ہے جیسا کہ فرمان باری ہے: (اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ) کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی کا جاننے والا ہے اور (وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شئی کا علم کے اعتبار سے احاطہ کر رکھا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تفصیلاً و اجمالاً ہر چھوٹی بڑی چیز کا علم رکھتا ہے دنیا کی کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے اور وہ علّام الغیوب ہے فرمان باری ہے (عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ) (سبا:۳) ترجمہ: میرے عالم الغیب رب کی قسم! وہ تم پر ضرور آئے گی، اس سے نہ آسمانوں میں ذرہ بھر کوئی چیز غائب ہو سکتی ہے اور نہ زمین میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی (چیز ہے) اور نہ بڑی مگر روشن کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہے۔

(۲) کتابت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق تمام اشیاء کی تقدیر کو لوح محفوظ میں ازل میں لکھ رکھا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے (اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ) (الحج:۷۰) ترجمہ: کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو آسمان میں اور جو زمین میں ہے۔ اور یہ تقدیر میں لکھا ہوا ہے اور یہ اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔

اور حدیث نبوی ہے کہ: ''كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السماوات والأرض بخمسين ألف سنة'' (مسلم رقم ۲۶۵۳) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر کو آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے لکھ دیا ہے۔

اس لئے یہ ایمان رکھنا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تقدیر کو لوح محفوظ میں بھی لکھ دیا ہے کوئی بھی چیز اس سے خارج نہیں رہ سکتی خیر ہو یا شر، اچھا ہو یا برا سب پر ایمان ضروری ہے۔

(۳) مشیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ارادہ اور مشیت کے بغیر کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی ہے اور نہ ہی حرکت کر سکتی ہے بندوں کے سارے افعال اور کائنات کی ساری چیزیں اللہ کی مشیت کے تابع ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: (وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ) (الانسان:۳۰) ترجمہ: اور نہیں تم کچھ چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

(وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ) (ابراہیم:۲۷) ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(۴) خلق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور ارادہ کے مطابق اشیاء کو پیدا فرماتا ہے چاہے چھوٹی ہو یا بڑی ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ نیز اشیاء کو ان کے افعال اور صفات کے ساتھ پیدا کرنے اور اس کے بارے میں علم رکھنے والا ہے۔ فرمان باری ہے: (اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ) (الزمر:۶۲) ترجمہ: اللہ ہرشئی کا پیدا کرنے والا ہے۔

اور فرمایا: (وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ) (الصافات:۹۶) ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں اور ان چیزوں کو پیدا فرمایا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس لئے ہمارا یہ ایمان ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور سب کچھ لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے بغیر اس کی مشیت اور ارادہ کے کوئی چیز وجود پذیر نہیں ہو سکتی اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: الایمان بالقدر خیرہ وشرہ للشیخ عثیمین اور شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل لابن القیم)

جماعتی خبریں

دفتر صوبائی جمعیت

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے امیر **شیخ عبد السلام صاحب سلفی -حفظہ اللہ-** کا 4/مارچ کو کھارگھر (نیوممبئی) میں خطاب ہوا، 24/مارچ کو آکوٹ (مہاراشٹرا) کی مسجد اہل حدیث دھارولی بیس میں آپ نے خطبہ جمعہ دیا اور اسی شام آکوٹ میں بیدار ملت کانفرنس میں "ملک کے موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داریاں" کے موضوع پر خطاب کیا، 26/مارچ کو بھٹکل (کرناٹک) کی اتحاد بین المسلمین کانفرنس میں "اتباع سنت اور اس کے تقاضے" کے عنوان پر آپ کا خطاب عام ہوا اور 28/مارچ کو سرواں (شری وردن، کوکن) کے سالانہ اجلاس میں آپ کی تقریر ہوئی۔

شیخ محمد مقیم فیضی -حفظہ اللہ- نے 5/مارچ کو ہاسپیٹ (کرناٹک) کے ایک عوامی اجلاس میں "اسلام میں تربیت اولاد میں والدین کی ذمہ داری" کے موضوع پر خطاب کیا، 10/مارچ کو آکولہ (مہاراشٹرا) میں اسلام اور دہشت گردی کے موضوع پر تقریر کی، نیز 24/مارچ کو بھیونڈی میں بعنوان "اسلام میں مثالی خاتون"، 26/مارچ کو بھٹکل میں بعنوان "اسلام اور دہشت گردی۔ جماعت اہل حدیث کا موقف۔ اور 31/مارچ کو الہاس نگر ممبئی میں بعنوان "دین سے دوری کے اسباب وعلاج" آپ کے خطابات ہوئے۔

شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی -حفظہ اللہ- نے 12/مارچ کو جامعہ رحمانیہ کاندیولی میں طلبائے جامعہ کی سالانہ انجمن میں "طالب علم کے لیے نبوی بشارتیں" کے موضوع پر طلباء سے خطاب کیا، 24/مارچ کو مسجد قدیم سمروباغ (بھیونڈی) میں بعنوان "نوجوانوں کا اخلاقی بگاڑ" تقریر کی، 26/مارچ کو پونہ شہر کے ایک پروگرام میں "تفسیر سورۃ النبا" بیان کی، 27/مارچ کو مسجد اہل حدیث سرواں (ضلع رائے گڑھ، کوکن) میں آپ کا خطاب ہوا، عنوان تھا "دور حاضر میں مسلمانوں کی دین بیزاری"۔

شیخ کفایت اللہ سنابلی -حفظہ اللہ- نے 4/مارچ کو باندرہ کی مسجد توحید میں "اخلاق حسنہ" کے موضوع پر خطاب کیا۔

شیخ سرفراز فیضی -حفظہ اللہ- نے 25/مارچ کو نیرول، حبیب منزل میں "فتنۂ تکفیر" کے موضوع پر خطاب کیا اور 28/مارچ کو کالینا (چونا بھٹی، کرلا ویسٹ) کی مسجد اہل حدیث میں "نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثالی شوہر" کے موضوع پر آپ کا درس ہوا۔

شیخ کمال الدین سنابلی -حفظہ اللہ- نے 3/مارچ کو وسئی کے جلسہ عام میں "فتنۂ انکار حدیث" کے موضوع پر خطاب کیا، 4/مارچ کو مسجد عمر (نارائن نگر، کرلا ویسٹ) میں "اہمیت حدیث" کے موضوع پر تقریر کی، 18/مارچ کو دوبارہ مسجد عمر (نارائن نگر) ہی میں "درود وسلام" کے موضوع پر خطاب کیا اور 31/مارچ کو وسئی میں "نوجوانوں کی دین سے بڑھتی ہوئی دوری" کے موضوع پر تقریر کی۔

❖ ❖ ❖

حلقۂ ادب

اہلِ حدیث ہیں ہم

عبدالواحد انور یوسفی الاثری

تھامے کتاب وسنت — اہلِ حدیث ہیں ہم
دونوں سے ہے محبت — اہلِ حدیث ہیں ہم

دیکھو! حدیث رب نے قرآن کو کہا ہے
بیشک حدیث مطلق فرمان مصطفیٰ ہے
تقریری، قولی، فعلی کہنے ہی میں جدا ہے
ورنہ ہر ایک حجت اور حکم ایک سا ہے

ہر اک سے اپنی نسبت — اہلِ حدیث ہیں ہم
تھامے کتاب وسنت — اہلِ حدیث ہیں ہم

پڑھتے ہیں شوق سے ہم کتب حدیث ساری
صحت وسقم کی بھی رکھتے ہیں پاسداری
تعدیل وجرح کی بھی حاصل ہے جانکاری
مجموعۂ صحیحہ بس مسلم وبخاری

بیشک ہیں بابصیرت — اہلِ حدیث ہیں ہم
تھامے کتاب وسنت — اہلِ حدیث ہیں ہم

اصحاب کی روش پر چلنا ہمارا شیوہ
اصحاب کر گئے جو کرنا ہمارا شیوہ
سنت کو خوب جم کر لینا ہمارا شیوہ
بدعت سے دور کوسوں رہنا ہمارا شیوہ

کرتے ہیں صرف قوت — اہلِ حدیث ہیں ہم
تھامے کتاب وسنت — اہلِ حدیث ہیں ہم

مسلم تمام تر تھے آپس میں بھائی بھائی
قرآں حدیث سے جب لیتے تھے رہنمائی
تقلید کی برائی ، چوتھی صدی میں آئی
بغض وحسد ، تعصب ، تفریق ساتھ لائی
تقلید وجہِ نفرت اہلِ حدیث ہیں ہم
تھامے کتاب وسنت اہلِ حدیث ہیں ہم

کس نے کیا حرم میں وحدت کو پارہ پارہ
تاریخ نے ہے دیکھا وہ خونچکاں نظارہ
اک دوسرے کو مسلم کرتا نہ تھا گوارا
انورؔ تھا اُن میں روشن نفرت کا وہ شرارہ
کرتے رہے نصیحت اہلِ حدیث ہیں ہم
تھامے کتاب وسنت اہلِ حدیث ہیں ہم

(بقیہ صفحہ ۲۳؍ کا)

قرآن کریم ہے جسے اللہ تعالی نے ہمارے نبی محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے جولوگوں کے لئے ان کے دین سے متعلق ضروری امور کی وضاحت کرتی ہے تاکہ انہیں حق وباطل کا علم ہوجائے (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ۱۰/ ۱۴۳)۔

{يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ} (المائدہ:۱۶)۔

جس کے ذریعہ سے اللہ تعالی انہیں جورضاء رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اوراپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کرروشنی کی طرف لاتا ہےاورراہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے۔

{سبل السلام} یعنی سلامتی کی راہیں، اور''السلام'' اللہ عزوجل ہے'اوراللہ کی وہ راہ جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے مشروع قراردیا ہے'انہیں اس کی دعوت دی اوراسے اپنے رسولوں کودیکر مبعوث فرمایا ہے، وہ''اسلام'' ہے جس کے بغیراللہ تعالی کسی کا کوئی عمل قبول نہ فرمائے گا اور''انہیں تاریکیوں سے نکال کرنور کی طرف لاتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ انہیں کفروشرک کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کے نوروضوفشانی کی طرف لاتا ہے(مرجع سابق،۱۰/ ۱۴۵)۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کفر'بدعت'نافرمانی'جہالت'اورغفلت کی تاریکیوں سے نکال کرایمان'سنت'اطاعت'علم اوریادوبیداری کی روشنی کی طرف لاتا ہے''(دیکھئے: تیسیرالکریم الرحمن فی تفسیرکلام المنان للسعدی،ص۱۸۸)۔

❖ ❖ ❖

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
April 2017

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمدللہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت، دعوت الی اللہ، اصلاح نفوس، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھرپور سعی کر رہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

- ماہانہ تربیتی اجتماعات کا انعقاد۔
- جلسے اور کانفرنسیں۔
- انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے۔
- ہینڈبل، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت۔
- ہر ماہ الجماعہ کی اشاعت۔
- مفت کتابوں کی تقسیم۔
- مکاتب کا ماہانہ تعاون۔
- ضرورت مند افراد کا تعاون۔
- مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون۔
- نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو۔
- دعاۃ کی تربیت کا اہتمام وغیرہ۔

دینی وجماعتی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھرپور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیراً

Published by :
SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com